سلسلۂ آسان کتب

جاوید نامہ

مختصر ترجمہ مزملہ شفیق

تصاویر تبسم خالد

نگرانی خرم علی شفیق

اقبال اکادمی پاکستان

جاوید نامہ

اقبال

مختصر ترجمہ

مزملہ شفیق

تصاویر

تبسم خالد

نگرانی

خرم علی شفیق

اقبال اکادمی پاکستان

جاوید نامہ کیسے لکھی گئی؟

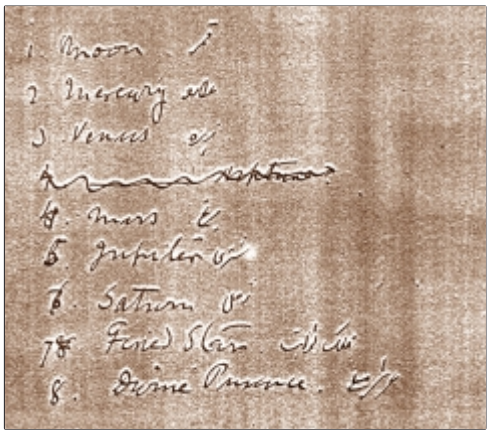

۱۹۲۷ء کے موسمِ سرما میں ایک دن اقبال نے بیاض کھولی اور سید نذیر نیازی کو کچھ اشعار سنائے۔ نذیر نیازی اُن کے استاد مولوی میر حسن کے بھتیجے تھے اور اکثر اقبال کے پاس آیا کرتے تھے۔ بعد میں اقبال نے ان اشعار کے بارے میں کہا، ''مجھ پر کسی اور جہان سے نازل ہوئے تھے۔'' مکمل ہونے پر یہی اشعار جاوید نامہ بننے والے تھے یعنی وہ کتاب جو بظاہر اقبال کے بیٹے جاوید کے نام پر تھی مگر جس کے ذو معنی عنوان کا ایک مطلب ''ہمیشگی کی کتاب'' بھی تھا۔

جاوید نامہ کا مرکزی خیال رسولِ اکرمؐ کی معراج کے واقعے سے ماخوذ تھا۔ اقبال نے ۱۹۲۸ء میں انڈین اورینٹل کانفرنس میں اپنے صدارتی خطبے میں کہا، ''پروفیسر بیون نے معراج کے واقعے پر بڑی اچھی تاریخی بحث کی ہے،'' مگر واقعے کی تاریخی حیثیت سے بھی زیادہ اقبال کو اِس واقعے کے اثر سے دلچسپی تھی اور اِس بات سے کہ ''مسلمان ذہن اور تخیل نے اِس واقعے کو کس طرح برتا ہے۔'' انھوں نے ابنِ عربی پر اور اُن کے ذریعے سے دانتے پر اِس واقعے کے اثر کا بھی ذکر کیا۔

اُس تقریر میں انھوں نے ۱۹۱۹ء میں اسپین میں شائع ہونے والی کتاب اسلام اور ڈیوائن کامیڈی کا ذکر نہیں کیا جو اس وقت تک انگریزی میں بھی شائع ہو چکی تھی۔ تاہم اس کے مصنف آسین پلاسیوس کا نام جاوید نامہ کی اشاعت کے فوراً بعد چھپنے والے اپنے ایک مضمون میں اِس بحث کو شروع کرنے والوں میں ضرور شمار کیا گیا۔ یہ مضمون اقبال کے قریبی دوست چودھری محمد حسین نے لکھا تھا اور یقیناً اقبال کی نگرانی میں اور ان کی مشاورت سے لکھا ہوگا۔

اِس مضمون سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اقبال پہلے واقعۂ معراج پر مقالہ لکھنا چاہتے تھے مگر جب اُنھیں معلوم ہوا کہ دانتے کی ڈیوائن کامیڈی بھی اِسی واقعے سے اخذ کی گئی تھی تو انھوں نے مقالے کی بجائے کہانی لکھنے کا فیصلہ کیا جو ''ایک طرح کی مشرقی ڈیوائن کامیڈی'' ہو۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اقبال نے کس مصنف کی کتاب سب سے پہلے پڑھی مگر بہر صورت انھوں نے جاوید نامہ لکھنے سے پہلے یا اِس کے دوران آسین کی کتاب سے استفادہ کر لیا تھا۔ حسن اتفاق سے کتاب کی اشاعت کے ایک

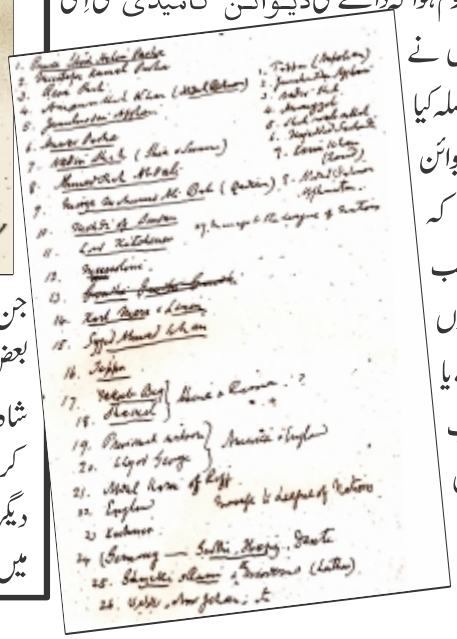

جاوید نامہ کی بیاض اقبال میوزیم جاوید منزل میں محفوظ ہے۔ یہ ہمیں اِس شاندار کہانی کے مختلف مراحل سے باخبر کرتی ہے۔ پہلے صفحے پر آسمانی مقامات کی فہرست موجود ہے: چاند، عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زُحل، ٹھہرے ہوئے ستارے اور حضورِ حق۔ ٹھہرے ہوئے ستارے بعد میں شامل نہیں کیے گئے، شاید اِس لیے کہ ابواب کی کُل تعداد سات ہو جائے جو ایک معنی خیز عدد ہے۔ بیاض کے اگلے صفحے پر کرداروں کی فہرست ہے

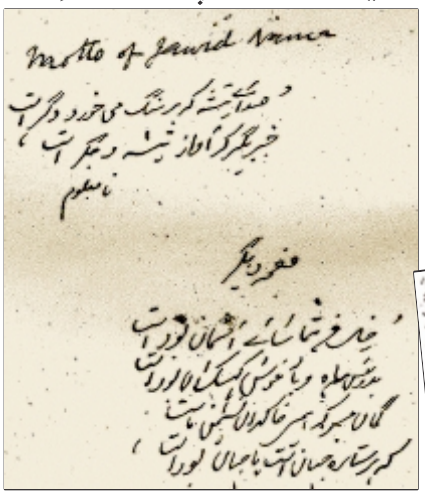

جن میں سے اکثر تاریخی شخصیات ہیں۔ اِن میں سے بعض، جیسے ترک ڈکٹیٹر مصطفیٰ کمال اور ایرانی حکمران رضا شاہ، اُس زمانے میں زندہ تھے چنانچہ صرف دوسرے کرداروں کی گفتگو میں اُن کا ذکر کرنے پر اکتفا کی گئی۔ دیگر شخصیات جنھیں بعد میں کتاب میں شامل نہ کیا گیا اُن میں ملکہ نور جہاں بھی شامل تھی۔

سال بعد سپین میں اس پروفیسر سے ان کی ملاقات بھی ہوگئی۔

اگر دانتے نے واقعی اپنی کہانی کا مرکزی خیال معراج نبوی سے لیا تھا (یہ بات قریب قریب یقینی ہے اگرچہ اُس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف بڑے تعصب سے کام لیا)، تو وہ معراج سے ماخوذ کہانی لکھنے والا پہلا مصنف نہیں تھا۔ اسلامی ادب میں معراج نامہ ایک رائج صنف تھی جو صرف رسولِ اکرمؐ کی معراج تک محدود نہ تھی بلکہ صوفیا نے اپنی اپنی روحانی سیر کو بھی موضوع بنایا تھا۔

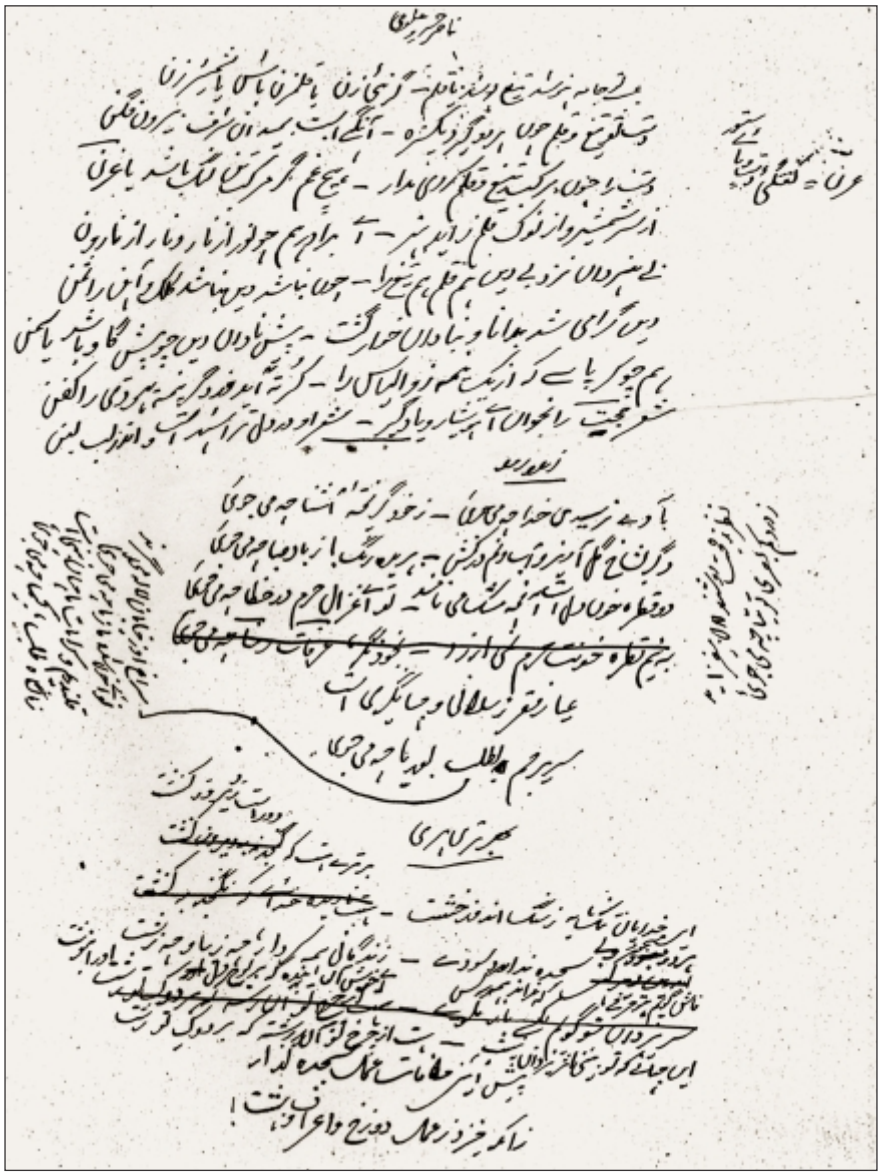

جاوید نامہ کے لیے اقبال کو خاصی تحقیق کرنی پڑی۔ بڑی تاریخی شخصیتوں کو فرضی کرداروں کی طرح اپنی مرضی کے تابع نہیں رکھا جا سکتا۔ اُن سے کوئی ایسی بات نہیں کہلائی جا سکتی جو اُن کی ثابت شدہ فکر کے خلاف ہو۔ اس کے علاوہ ان شخصیات کا اپنا لب ولہجہ اور اسلوب بھی تھا۔ جس کا لحاظ رکھنا بھی ضروری تھا۔ مثال کے طور پر جاوید نامہ میں منصور حلاّج پیامِ مشرق (۱۹۲۳) کی ایک غزل گاتے ہوئے ملتے ہیں اور حلاج اور زندہ رُود (جاوید نامہ میں اقبال کا لقب) کے درمیان مکالمے میں حلاج کے ذہن کی جو کیفیت نظر آتی ہے وہ حلاج کی اپنی تحریروں کے عین مطابق ہے۔ یہ تحریریں کچھ عرصہ قبل مدون ہو کر شائع ہو چکی تھیں۔

ایک خیالی سیر آسمانی کے بیان میں سائنسی حقائق کو شروع سے آخر تک ملحوظ رکھنا ممکن نہ تھا مگر اقبال نے علمِ فلکیات کے نئے تصورات سے اپنی واقفیت کا ثبوت ضرور دیا۔ اُس وقت تک یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ سیارہ مشتری تیز رفتار سے ایک دلچسپ انداز میں حرکت کرتا ہے چنانچہ اقبال کے تخیل میں یہ اُن روحوں کی آماجگاہ بنا جنہیں کسی مقام پر قرار نہ تھا۔

اتنی تحقیق کے باوجود اُن دنوں وہ جاوید نامہ کے ساتھ ساتھ کچھ اور کام بھی کر رہے تھے۔ اسلامی فکر کی نئی تشکیل کے لیے وہ ایک سلسلۂ خطبات مرتب کر رہے تھے برِّ عظیم میں ایک مسلمان ریاست کا تصور پیش کرنے جا رہے تھے اور ظاہر ہے کہ وکالت وغیرہ کی مصروفیات بھی ساتھ چل رہی تھیں۔

چار سال بعد جب وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا شاہکار مکمل کر چکے تو اُنھوں نے کہا: ''اِس کتاب نے میرا ذہن نچوڑ لیا ہے۔''

فہرس

دُعا ۶

ابتدائیہ

بہت مدّت پہلے۔۔۔ ۷

ایک تنہا شام ۸

روحِ زمان ۱۰

چاند پر

جہاں دوست ۱۳

سروش ۱۴

پیغمبروں کی وادی ۱۶

عطارد کی زندہ روحیں

دو مُصلح ۱۹

زہرہ کی پُرخطر وادی

قدیم بتوں کی مجلس ۲۲

فرعون و مہدی ۲۳

اہل مریخ سے ملاقات

مریخ کی شاندار دنیا ۲۵

مریخی ماہر فلکیات ۲۵

ایک ساحرہ ۲۷

مشتری کے آس پاس

مسافروں کا جہاں ۲۹

مکالمہ ۳۰

ابلیس ۳۲

زحل کا تاریک جہنّم

خون کا سمندر ۳۴

ستاروں سے آگے

جنت ۳۷

بھرتری ہری، سلاطین اور حوریں ۴۰

خدا ۴۴

جاوید اور نئی نسل سے چند باتیں ۴۷

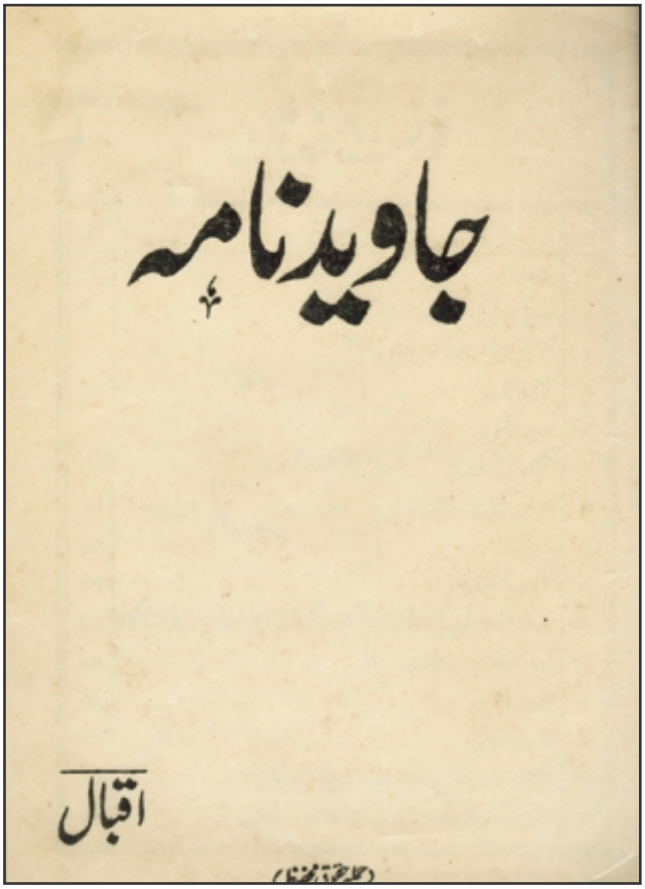

دعا

اِس سات رنگی دنیا میں انسان ہمیشہ کسی ساتھی کی تلاش میں رہتا ہے۔اے خدا! روح کا ساتھی کہاں ہے؟ اس دنیا کو میری نظروں سے اوجھل کر دے، جیسے سورج اور چاند افق کے پیچھے چھپ جاتے ہیں، اور مجھے ایک ایسا دن نصیب کر جو گزرتے وقت سے تعلق نہ رکھتا ہو۔

اے خدا! تو میرا محبوب ہے۔ تیرا چہرہ میرا ایمان اور میرا قرآن ہے، اسے میرے روبرو کر، کیونکہ سورج جب اپنی کرنوں کو بکھیرتا ہے تو اس کی روشنی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ مجھ جیسی مضطرب روح اِس زمانے میں کہیں نہیں پائی جاتی جہاں لوگ عقل کے غلام ہیں۔ میرے دل کی تاریکی کو چاند کی طرح اپنے نور سے روشن کر دے۔

اے خدا! ہم تجھے دیکھنے کو تڑپتے ہیں مگر تجھے دیکھ نہیں سکتے۔ ہم اندھے ہیں، ہمیں بینائی بخش۔ ہم سے کلام کر اور ہمیں اِس آج اور کل کی دنیا سے پرے لے جا! ہمیں چاند ستاروں کی دنیا سے ادھر لے جا!

اے خدا! میں فانی ہوں اور میری روشنی تیرے ابدی نور کے سامنے محض چند لمحوں پر محیط ایک شرارے کی مانند ہے۔ مجھے لافانی کر دے اور مجھے اتنی طاقت عطا کر کہ میں اُس راستے پر چل سکوں جو تو نے میرے آگے کھولا ہے۔ میری کتاب کو آسان بنا دے تا کہ نوجوان اسے سمجھ سکیں کیونکہ میں ایک اور ہی دنیا کے بارے میں بتانے جا رہا ہوں۔

ابتدائیہ

بہت مدّت پہلے...

جب ہم اپنی پسندیدہ ہستی کے ساتھ ہوتے ہیں تو خوشی محسوس کرتے ہیں اور جب اُس سے دُور ہوتے ہیں تو اس سے دوبارہ ملنے کی ایک شدید طلب محسوس کرتے ہیں۔ حضوری اور غیب کا یہ سلسلہ ممکن نہ ہوتا اگر دنیا نہ ہوتی۔ اور یہی وجہ تھی کہ دُنیا ابدی حیات سے ظہور میں آئی۔ اگر آپ اپنے اردگرد دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر کوئی کسی نہ کسی شے یا ہستی کی آرزو میں ہے اور اگر اپنے اندر جھانکیں تو آپ دیکھیں گے آپ اپنے خالق سے ملنے کے لیے بیتاب ہیں۔

جب دنیا کا آغاز ہوا تو ہر چیز وجود کا تحفہ پانے پر خوش نظر آتی تھی۔ چاند اور ستاروں کو حرکت سکھائی گئی اور یوں فضا میں کتنے ہی چراغ روشن ہو گئے۔ سورج نے نیلے آسمان پر اپنی جگہ سنبھالی اور یوں سنہری کرنوں نے پہلی صبح کو منور کیا۔ اُس وقت اس ساری دنیا کو جو نئی نئی پیدا ہوئی تھی پہلی صبح نے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

زمین البتہ ابھی تک بے آب و گیاہ تھی۔ یہ ایک صحرا کی مانند تھی جس میں کوئی کارواں نہ ہو۔ کوئی ندی پہاڑوں سے نبرد آزما نہ تھی، نہ کوئی بادل اس ویرانے میں آوارہ پھرتا تھا۔ درختوں کی شاخوں پر ایک بھی پرندہ نغمہ زن نہ تھا اور نہ کوئی ہرن مرغزاروں میں قلانچیں بھرتا تھا۔ بحر و بر اپنی تجلّی اور چمک دمک سے محروم تھے اور پوری زمین دھوئیں کے ایک بادل میں لپٹی ہوئی تھی۔ سبزہ بہار سے نا آشنا تھا اور زمین کی گہرائیوں میں دفن تھا۔

نیلے آسمان نے زمین کو اس کی اجڑی ہوئی صورت پر طعنہ دیا۔ اُس نے زمین کی ویرانی کا مذاق اڑایا۔ ''میں نے ایسی حالت اس سے پہلے کسی کی نہیں دیکھی!'' اُس نے کہا کہ زمین اس لیے اندھی ہے کہ اس کے پاس روشن ستارے نہیں ہیں اور اس کی روشنی آسمان پر موجود سورج، چاند اور ستاروں سے مستعار لی گئی ہے۔ زمین اس طعنے پر شدید دل گرفتہ ہوئی۔ اس نے خدا سے شکایت کی اور اپنی خستہ حالت پر آہ و زاری کی۔ اس کی فریاد رایگاں نہ گئی۔ آسمانوں کے پار سے، کائنات کی پرلی طرف سے، ایک جواب آیا: ''تم اس امانت سے ناواقف ہو جو ہم نے تمھارے سپرد کی ہے؟'' آواز نے کہا: ''نا اُمید مت ہو اور اپنے اندر جھانکو۔ انسان تمھاری خاک سے بنایا جائے گا۔ اس کی روح ابدی شعلے سے روشن ہوگی نہ کہ اس روشنی سے جو سورج سے آتی ہے۔ اس کو اپنی عقل اور قابلیت کی وجہ سے پوری کائنات پر قدرت حاصل ہوگی۔ اس کا عشق زمان و مکان کو اپنی دسترس میں لے لے گا اور اس کا علم اور اِستدلال صحیح راستے کا انتخاب کرے گا۔ اس کی عقل جبرئیل سے بڑھ کر ہوگی۔ ہر چند کہ وہ خاک سے پیدا ہوگا مگر اس کی اڑان فرشتوں سے کم نہ ہوگی۔ وہ آسمان سے پرے بلندیوں میں پرواز کرے گا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ عبادت گزار کم ہوگا اور معصوم جانوں کا بے تحاشا خون بہائے گا مگر اس کی یہ کمزوریاں بھی زمانے کی ترقی و خوشحالی کا باعث بنیں گی۔ کائنات کا علم اس کی عقل کو مزید جلا بخشے گا کیونکہ اس طرح وہ حق تعالیٰ کی ذات کو کائنات میں کارفرما اُس کی صفات کے ذریعے دیکھ سکے گا۔ جس کسی نے بھی خدا کے بے پناہ حسن کو محسوس کیا اور اس کے عشق میں ڈوب گیا، وہی تمام موجودات کا سردار ہے۔''

پھر فرشتوں نے یہ گیت گایا:

فروغِ مشتِ خاک از نوریاں افزوں شود روزے
زمیں از کوکبِ تقدیر او گردوں شود روزے
خیالِ او کہ از سیلِ حوادث پرورش گیرد
زگردابِ سپہر نیلگوں بیروں شود روزے!
یکے در معنیِ آدم نگر! از ما چہ می پُرسی
ہنوز اندر طبیعت می خَلَد موزوں شود روزے!
چناں موزوں شود ایں پیش پا اُفتادہ مضمونے
کہ یزداں را دل از تاثیرِ او پرخوں شود روزے!

مٹھی بھر خاک کی چمک ایک روز فرشتوں سے بڑھ جائے گی اور اُس کی قسمت کے ستارے سے زمین آسمان سے بلند ہو جائے گی۔ اُس کا تخیل جو واقعات کے بہاؤ سے پرورش پاتا ہے، ایک روز نیلے آسمان کے گرداب سے باہر نکل جائے گا۔ ذرا آدم کے معانی پر نظر ڈالو، مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ یہ ابھی طبیعت میں کھٹک رہا ہے اور کسی روز موزوں ہو جائے گا۔ یہ عجیب و غریب مضمون اِس طرح موزوں ہوگا کہ اس کی تاثیر سے خدا کا دل بھی خون ہو جائے گا!

ایک تنہا شام

عشق اکثر ویرانوں کی تلاش میں رہتا ہے کیونکہ شہروں کا شور و غل اِس کے شعلے کو بجھا دیتا ہے۔ مجھے بھی جب کوئی ایسا نہ ملا جسے میں اپنا شریکِ راز بنا سکتا تو میں شہر سے باہر دریا کے کنارے پر چلا گیا۔ سورج غروب ہو رہا تھا اور نیلگوں پانی شفق کی سرخی سے لال ہو رہا تھا۔

غروبِ آفتاب مجھے مسحور کر دیتا ہے۔ یہ قدرت کا ایک حیرت انگیز مظہر ہے جب صبح کے رنگ شام سے جا ملتے ہیں اور یہ رنگ اِس قدر خوبصورت ہیں کہ اگر مجھے پتا چلے کہ غروبِ آفتاب کے جادو سے کوئی اندھا بھی دیکھنے لگا تو مجھے کوئی حیرت نہ ہوگی۔ اُس شام اس سحر نے مجھے اپنے دل سے باتیں کرنے پر آمادہ کر دیا۔ میں نے بہت دیر خود سے باتیں کیں۔ مجھ میں ایک تڑپ تھی اور ایک تلاش تھی۔

''ایسی زندگی گزارنا بھی کس قدر بوجھ ہے جس کا انجام فنا ہو،'' میں نے سوچا۔ ''یہ اِسی طرح ہے جیسے ہم زندہ ہوں مگر حیات نہ رکھتے ہوں!'' میرا دل یہ سوچ کر دکھی ہو گیا کہ مجھے ایک لافانی خدا نے تخلیق کیا ہے مگر پھر بھی میں فانی ہوں۔ ابدیت سے قریب ہوتے ہوئے بھی کس قدر دُور ہوں! میں اپنے اصل محبوب، اپنے خالق کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اس کرب کے عالم میں میں رومی کی ایک غزل گنگنانے لگا:

بکشائے لب کہ قندِ فراوانم آرزوست
بنمائے رخ کہ باغ و گلستانم آرزوست
یک دست جامِ بادہ و یک دست زلفِ یار
رقصِ چنیں میانۂ میدانم آرزوست

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر
کز دیو و دد ملولم و انسانم آرزوست
زیں ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت
شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود، آنم آرزو ست!

اپنے لب کھولیے کہ مجھے بے انتہا مٹھاس کی طلب ہے۔ اپنا چہرہ دکھایئے کہ مجھے باغ اور گلستان کی آرزو ہے۔ مجھے آرزو ہے کہ بیچ میدان رقص کروں اور ایک ہاتھ میں شراب کا جام، دُوسرے میں محبوب کی زلف ہو۔ کل رات ایک بزرگ چراغ لیے شہر کے گرد گھوم رہے تھے کہ دیووں اور حیوانوں سے تنگ آ گیا ہوں اور انسان کی آرزو ہے۔

اِن سست عناصر
ہم سفروں سے تنگ آ گیا ہوں، شیرِ خدا اور رستمِ داستاں
کی آرزو ہے۔ میں نے عرض کیا کہ گزرے ہوؤں کو ہم نہیں پا سکتے؟ کہنے لگے کہ
جنھیں پایا نہیں جا سکتا، مجھے انھی کی تو آرزو ہے!

دریا کی لہریں گہرائیوں میں محوِ خواب تھیں اور افق غروبِ آفتاب کے بعد تاریک ہو گیا تھا۔ آسمان پر ایک تنہا ستارہ نمودار ہوا اور میں نے رومی کی روح کو پہاڑوں کے پیچھے سے ظاہر ہوتے ہوئے دیکھا۔ ان کا چہرہ سورج کی طرح روشن تھا اور وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود جوانوں کی طرح تر و تازہ دکھائی دے رہا تھا۔ اُنھوں نے مجھ سے کہا: ''زندگی اپنے وجود پر گواہی چاہتی ہے۔ خدا نے بھی روزِ اَلست تمام روحوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا تھا: 'کیا میں تمھارا خدا نہیں؟' تمھیں اپنے وجود پر تین گواہ ڈھونڈنے چاہییں۔ پہلے گواہ تم خود ہو یعنی تمھارا شعور۔ دوسرا گواہ دوسروں کا شعور، یعنی خود کو دیکھنا دوسرے کے شعور کی روشنی میں۔ تیسرا گواہ خدا کا شعور ہے۔ یعنی خود پر نظر ڈالنا خدا کے نور سے اگر تم خدا کے روبرو خود کو قائم رکھ سکو تب تم خود کو ابدی سمجھنے میں حق بجانب ہو گے۔''

رومی نے اس نکتے کو پیغمبرِ خداؐ کی مثال کے ذریعے مزید واضح کیا۔ معراج کے موقع پر آپؐ نے آسمانوں سے پرے سفر کیا تھا اور راستے میں کہیں قیام نہ کیا جب تک خدا سے اِس قدر قریب نہیں پہنچ گئے کہ جبرئیل کو بھی وہاں سے واپس جانا پڑا اور صرف پیغمبرؐ ہی خدا کے سامنے ٹھہر سکے۔ رسولؐ نے زمان و مکان کی حدوں کو پار کر لیا۔ زمین کے وقت کے مطابق لمحے کا ہزارواں حصّہ ہی گزرا ہو گا کہ وہ طویل ترین سفر سے واپس بھی آ چکے تھے۔

میں نے رومی سے پوچھا کہ انسان ابدیت کی جانب سفر کیسے کر سکتا ہے۔ انھوں نے کہا: ''یہ اس طرح ہے جیسے دوبارہ پیدا ہوا جائے۔ جس طرح تم اِس دنیا میں پیدائش کے ذریعے آتے ہو، بالکل اسی طرح دوسری پیدائش تمھیں اس دنیا سے باہر لے جاتی ہے۔ مگر یہ دوسری پیدائش انھی کو نصیب ہوتی ہے جن کا باطن عشق کی قوت سے مستحکم ہو چکا ہو۔ یاد رکھو انسانیت کا جوہر اس قوت میں ہے جس سے انسان خدا کو روبرو دیکھ سکے۔ اگر عشقِ حقیقی کی قوت سے تمھاری روح مستحکم ہو جائے تو جسم تمھاری اڑان کا راستہ نہیں روک سکتا۔''

روحِ زمان

رومی کے کلام نے مجھے بے چین کر دیا اور میرے جسم کا ہر حصہ سیماب کی مانند تڑپنے لگا۔ آسمان پر مشرق اور مغرب کے درمیان روشنی کے ایک بادل نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس بادل میں سے ایک فرشتہ ظاہر ہوا۔ اُس کے دو چہرے تھے۔ ایک آگ جیسا اور دوسرا دھوئیں جیسا، ایک ستارے کی طرح روشن، دُوسرا رات کی طرح تاریک۔ اُس کی ایک آنکھ بیدار اور دوسری خوابیدہ تھی۔ اُس کے پر بے حد رنگین تھے اور سرخ، زرد، سبز، نقرئی، نیلے اور آسمانی تھے۔ اُس کے مزاج میں خیال کی سی تیزی تھی۔ وہ ایک سانس میں آسمان اور زمین کے درمیان سفر کر لیتا تھا۔ ہر لحظہ اُس میں ایک نئی خواہش جنم لیتی تھی اور وہ ایک نئی فضا میں پرواز کرتا تھا۔

اُس نے کہا: ''میں زروان ہوں اور اِس دنیا پر میرا تسلّط ہے۔ میں ظاہر بھی ہوں اور نظروں سے چھپا ہوا بھی۔ میری ہر تدبیر تقدیر کے ساتھ جُڑی ہوئی ہے۔ جاندار اور غیر جاندار سب میرا شکار ہیں۔ میری ہی وجہ سے شاخ پر کلی پھوٹتی ہے اور میری ہی وجہ سے پرندے اپنے گھونسلوں میں چہچہاتے ہیں۔ میری پرورش سے دانہ نشوونما پا کر درخت بنتا ہے۔ میں ہی عذاب دیتا ہوں اور میں ہی ثواب دیتا ہوں۔

میں پیاس پیدا کرتا ہوں تا کہ اُسے بجھانے کا انتظام کروں۔ میں ہی زندگی ہوں، میں ہی موت اور میں ہی روزِ حشر۔ میں ہی حساب کتاب، میں ہی دوزخ اور جنت اور میں ہی حور۔ انسان اور فرشتے میری دسترس میں ہیں اور یہ زمین جو چھ دن میں پیدا کی گئی، میری اولاد ہے۔ جو پھول بھی تم شاخ سے توڑتے ہو، وہ میں ہوں۔ ہر شے جو تم دیکھتے ہو وہ مجھ سے پیدا ہوئی ہے۔ پوری دنیا میرے سحر کے زیرِ اثر ہے اور میری ہر سانس اِسے مزید بوڑھا کر رہی ہے۔ مگر ایک باہمت آدمی نے ایک دفعہ میرا سحر توڑ ڈالا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے کہا: ''اللہ کے قرب کا وہ وقت صرف میرے لیے ہے جس میں کسی نبی کا گزر ہے نہ کسی فرشتے کا۔''

میں جانتا تھا کہ زروان رسولؐ اللہ کا ذکر کر رہا ہے جو معراج کی شب آسمانوں کی طرف پرواز کر گئے تھے۔ زروان کہہ رہا تھا: ''جس کو اپنے خالق کے ساتھ ایسی خلوت میسر آ جائے، وہ میرے طلسم کو توڑ دیتا ہے۔ اگر تم میری گرفت سے آزاد ہونا چاہتے ہو تو یہی ایک کنجی ہے۔''

اُس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا تھا جس نے اس پرانی دنیا کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا۔ یا تو میری نگاہیں ایک نئے جہان کو دیکھ رہی تھیں یا یہ سارا جہان ہی تبدیل ہو گیا تھا۔ جو بھی تھا، میں اِس ظاہری دُنیا میں مر گیا اور ایک ایسی دُنیا میں دوبارہ جنم لیا جو ہنگامے کے بغیر تھی۔ پرانی دنیا سے میرا رشتہ منقطع ہو گیا اور میں نے ایک نئی دنیا کو اپنے سامنے پایا۔ میری روح تڑپنے لگی اور میرے وجود سے ایک نئی دنیا نے جنم لیا۔ میرا جسم ہلکا ہو گیا، روح نے اپنی رفتار بڑھا دی اور میرے قلب کی آنکھ بیدار ہو گئی۔ چھپی ہوئی چیزیں ظاہر ہونے لگیں اور میں نے ستاروں کا یہ نغمہ سنا:

عقلِ تو حاصلِ حیات، عشقِ تو سرِّ کائنات
پیکرِ خاک! خوش بیا ایں سوے عالمِ جہات

زہرہ و ماہ و مشتری از تو رقیبِ یک دگر
از پئے یک نگاہِ تو کشمکشِ تجلّیات
صدق و صفاست زندگی، نشوونماست زندگی
'تا ابد از ازل بتاز ملکِ خداست زندگی'

تیری عقل زندگی کا حاصل اور تیرا عشق کائنات کا راز ہے۔ اے مٹی کے پُتلے! دُنیا کے اِس طرف آنا مبارک ہو! تیری وجہ سے زہرہ، چاند اور مشتری ایک دوسرے کے رقیب بن گئے ہیں۔ تیری ایک نگاہ کے لیے تجلّیات میں کشمکش شروع ہوگئی ہے۔ زندگی سچائی اور پاکیزگی ہے، زندگی مسلسل نمو ہے۔ ''ازل سے ابد تک کہیں مت رکو کہ زندگی خدا کا ملک ہے۔''

چاند پر

جہاں دوست

زندگی آگے بڑھنے کا نام ہے چنانچہ میں آگے بڑھتا رہا۔ جب میں زمین سے اوپر اٹھا تو ہر شے جو پہلے اوپر دکھائی دیتی تھی، اب مجھے نیچے نظر آنے لگی۔ یہ کائنات خدا کی ہے لہٰذا ہمیں اسے محبت کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ ہمارے لیے کوئی بھی غیر نہیں کیونکہ ہم میں خدا کا اثر موجود ہے۔

چاند پر مکمل خاموشی تھی۔ رومی نے بتایا کہ یہ ہماری پہلی منزل ہے۔ اس کی سطح پر کئی آتش فشاں تھے مگر یہاں نہ ہوا تھی نہ کوئی آواز سنائی دیتی تھی۔ اِس کے بادل کبھی برستے نہ تھے اور اس سیارے پر زندگی نہیں تھی۔ میں آگے بڑھا تو مجھے محسوس ہوا کہ میں ہر چیز کو شک کی نظر سے دیکھ رہا ہوں۔ شاید یہ اِس پراسرار فضا کا اثر تھا۔ آخر کار جب مجھے یوں لگا کہ میں شاید شک پر بھی شک کروں گا تو ایک نئی روشنی میرے ذہن میں نمودار ہوئی۔

عجیب منظر تھا۔ میرے بالکل سامنے اُس تاریک غار میں ہمیشہ کی روشنی سے بھری ہوئی ایک وادی تھی۔ ہماری زمین پر روشنی کے گرد اندھیرے کا ہالہ ہوتا ہے مگر یہ روشنی ایسی تھی جس کا کوئی کنارا نہ تھا۔ سایہ بھی یہاں روشن ہو جاتا تھا!

میں نے وادی کا جائزہ لینا شروع کیا۔ درخت بہت اونچے تھے اور ہر طرف پھیلے ہوئے تھے، جیسے وہاں کے پتھروں نے زُنّار باندھ رکھے ہوں۔ ایک درخت کے نیچے ایک ہندو سادھو بیٹھے تھے جن کے بارے میں رومی نے کہا کہ ان کا نام وِشوامتر ہے جس کا مطلب سنسکرت میں ہے 'سب کا دوست'!

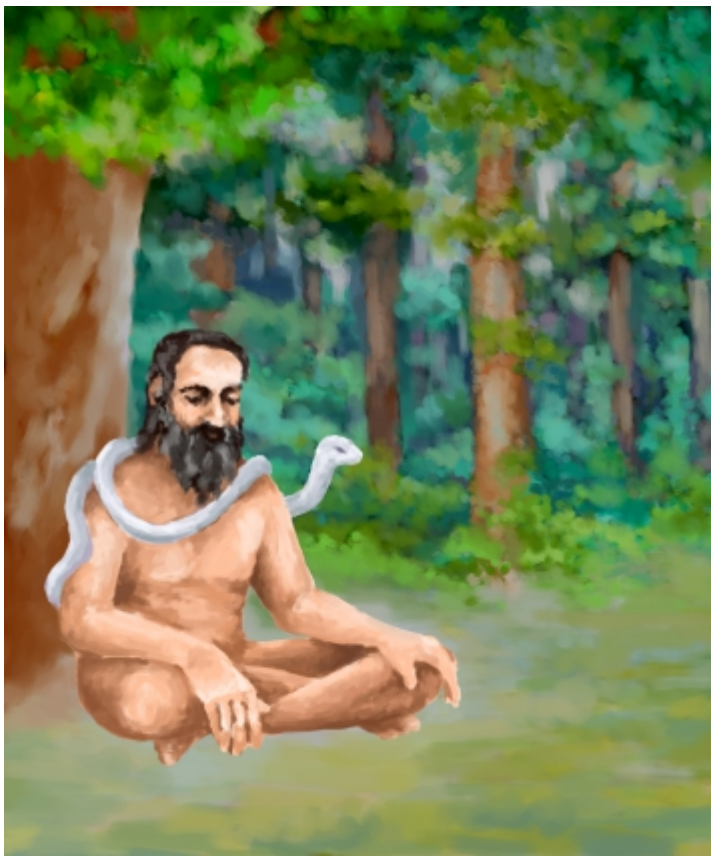

میں نے وشوامتر کو دیکھا۔ ان کے جسم پر لباس نہ تھا اور ایک سفید سانپ اُن کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ میں ابھی حیرت سے ان کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ انھوں نے آنکھیں کھول دیں اور ہم دونوں کو دیکھا۔ شاید وہ رومی سے پہلے ہی سے واقف تھے اور اب رومی نے ان سے میرا تعارف ایک مسافر، فلسفی اور شاعر کے طور پر کروایا۔

''تم خدا کا وجود کس طرح ثابت کرتے ہو؟'' وشوامتر نے مجھ سے پوچھا۔

''اُس کا وجود ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں،'' میں نے جواب دیا۔ ''وہ تو ہر جگہ نظر آتا ہے!''

وشوامتر میرے جواب سے بہت خوش ہوئے اور مجھے اپنی حکمت کے راز بتانے لگے: ''اگر تمھیں کسی میں برائی نظر آئے تو سمجھو کہ تمھارے دیکھنے میں کچھ قصور ہے۔ سورج کو کہیں اندھیرا دکھائی نہیں دیتا!''

وہ اِسی طرح باتیں کرتے رہے۔ ''جو خدا کو نہیں مانتا، وہ گویا زندہ ہی نہیں ہے تو پھر اُس سے لڑنے کا کیا فائدہ؟ ایک سچا مومن اپنے اندر کی خرابیوں سے لڑتا ہے اور انھیں اس طرح شکار کرتا ہے جس طرح چیتا بڑی چُستی کے ساتھ ہرن پر جھپٹے۔''

میں ان کی حکمت سے لبریز گفتگو سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے: ''ایک دفعہ میں نے پھول سے پوچھا کہ تم تاریک مٹی میں سے خوشبو کیسے اخذ کر لیتے ہو؟ پھول نے مجھ سے کہا: تم خاموش بجلی میں سے کڑک کیسے سن لیتے ہو؟ ہمیں تو گرجنے کی آواز سنائی نہیں دیتی اور ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ ایک خاموش چیز جو آسمان پر چمکتی ہے اُس میں سے تمھیں آواز کیسے سنائی دیتی ہے؟ شاید یہ ہم دونوں کی زندگی کے انداز میں فرق کی بات ہے۔ تم وہ اخذ کرتے ہو جو ظاہر ہے اور ہم وہ اخذ کرتے ہیں جو ظاہر نہیں ہے!''

ہندو فلسفی بولتے بولتے رُک گئے اور میں نے سوچا کہ شاید وہ ابھی کچھ اور کہیں گے مگر پھر اندازہ ہوا کہ وہ دوبارہ مراقبے میں چلے گئے ہیں۔ وہ روشنی جو کچھ دیر پہلے تک پوری وادی پر چھائی تھی، اچانک غائب ہوگئی اور یوں مجھے اُس روشنی کا راز معلوم ہوا۔ وہ دراصل وشوامتر سے آ رہی تھی۔ اب وہ ضرور اُن کے اندر **جگمگا** رہی ہوگی کیونکہ انھوں نے اپنی توجہ بیرونی دنیا سے ہٹا کر اپنے اندر مرکوز کر لی تھی۔

سروش

اُس رات کے طلسم میں ایک نازنین ظاہر ہوئی جو اُس تاریک رات میں ایک ستارے کی مانند چمک رہی تھی۔ اُس کی زلفیں اُس کے دونوں شانوں پر کمر تک بکھری ہوئی تھیں اور اُس کے چہرے سے جو روشنی پھوٹ رہی تھی، وہ گرد و پیش کے پہاڑوں اور میدانوں کو روشن کر رہی تھی۔ اپنے ہی حسن کے نشے میں غرق وہ گنگنا رہی تھی۔ فکر اور تصوّر کی روشنی اُس کے گرد گردش کرتی تھی جس سے نئے نئے فنون جنم لے رہے تھے۔ میں نے رومی سے کہا: ''اے دانائے راز! اِس راز کو بھی مجھ پر روشن کر دے۔''

''اِس چاندی کی طرح چمکتے ہوئے پیکر نے خدا کے ذہن میں جنم لیا،'' رومی نے کہا۔ ''لیکن اپنے ذوقِ نمو سے بیتاب ہو کر یہ اس دنیا میں آ گئی۔ ہماری طرح یہ بھی آوارہ و تنہا ہے۔ میری اور تمھاری طرح ایک مسافر! یہ بے خود کر کے ہوش میں لاتی ہے۔ اِس کی شبنم کے قطرے سے ہماری کلیاں کھلتی ہیں اور شعلے اس کے سانس کی گرمی سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ اِسی کی وجہ سے ایک شاعر اپنے دل کے تار چھیڑتا ہے اور اُس کے محمل کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ میں نے اِس کے نغمے میں اپنا جہان دیکھا۔ تم بھی ایک لمحے کے لیے اپنے اندر اِس کی آواز کا سوز محسوس کرو۔''

میں نے غور کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ میں بھی اپنے اندر وہ نغمہ سن سکتا ہوں جو وہ گا رہی تھی:

ترسم کہ تو مے رانی زورق بسراب اندر
زادی بہ حجاب اندر میری بہ حجاب اندر
بے دردِ جہانگیری آں قُرب میسر نیست
گلشن بگریباں کش اے 'بو بگلاب اندر'
ایں صوتِ دلآویزے از زخمۂ مطرب نیست
مہجورِ جناں حورے نالد بہ رباب اندر

اِس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے ڈر ہے تم سراب میں کشتی چلا رہے ہو۔ پردے ہی میں پیدا ہوتے ہو اور پردے ہی میں مرجاتے ہو۔ دنیا کو حاصل کرنے کے کرب سے گزرے بغیر خدا نہیں ملتا، اے اپنے آپ کو پھول کی خوشبو سمجھنے والے اپنے گریبان میں پورا باغ سمولو! یہ دل آویز آواز ساز بجانے والے کے مضراب کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ جنّت سے دُور کوئی حُور رُباب میں چھپ کر رو رہی ہے۔

رومی نے جو عشق و محبت کے رہنما ہیں اور جن کا کلام پیاسوں کے لیے جنت کا چشمہ ہے، مجھ سے کہا:

''جس شعر میں جذبہ کی تپش ہے اُس کی اصل اللّٰہ ھُو کی حرارت سے ہے۔ ایسا شعر خس و خاشاک کو ایک خوبصورت گلشن میں تبدیل کر دیتا ہے اور آسمانوں کی ترتیب بدل ڈالتا ہے۔ ایسا شعر ہمیشہ کی سچائی پر گواہی دیتا ہے اور فقیروں کو بادشاہی عطا کرتا ہے۔ اس کی تاثیر سے جسم میں خون کی گردش تیز تر ہو جاتی ہے اور دل جبرئیل سے زیادہ بیدار اور ہوشیار ہو جاتا ہے۔ لیکن بہت سے شاعر ایسے بھی ہیں جو محض دل کے راہزن اور نظر کے ابلیس ہیں۔ خدا تمھارے برِّعظیم کے شاعروں پر رحم کرے! اُن کی روح گفتگو کی لذّت سے خالی ہے۔ اُنھوں نے عشق کو راگ رنگ سکھا کر اس کی قوت کو کمزور کر دیا ہے اور وہ ابراہیم کو بت تراشی کا فن سکھا رہے ہیں! اُن کی شاعری میں ترنم ہے مگر وہ سوز و درد سے خالی ہے۔ اہلِ درد کے لیے تمھارے شاعر بے حس اور مردہ ہیں۔ نیند میں بڑبڑانا اُس مترنم آواز سے کہیں بہتر ہے جو موسیقی کی تہ دار گہرائی سے خالی ہو۔

''شاعر کی فطرت ازل سے ابد تک سراپا جستجو ہے۔ وہ عشق اور آرزو کو شکل عطا کرتا ہے اور اُس کی پرورش کرتا ہے۔ شاعر قوم کے سینے میں ایک دل کی مانند ہے، اُس کے بغیر ملّت محض مٹی کا ڈھیر ہے۔

یہ دنیا سوز اور مستی سے بنی ہے اور ان کے بغیر شاعری محض آہ و بکا ہے۔ مگر وہ شاعری جس کا مقصد لوگوں کو تہذیب یافتہ بنانا ہو، دراصل پیغمبری کی وارث ہے۔''

پیغمبروں کی وادی

جستجو بغیر کسی نقشے کے اپنی راہ تلاش کر لیتی ہے۔ لہٰذا میں یرغمید کی وادی میں پہنچا۔ فرشتے اس وادی کو وادیِ طواسین کہتے ہیں کیونکہ اِسی وادی میں چار ''طاسین''، یعنی خدا کے چار پیغمبروں کی تختیاں موجود ہیں۔

اس وادی کے حسن کو بیان کرنا مشکل ہے۔ کم سے کم سات ستارے ہر وقت اِس کا طواف کرتے ہیں اور اِس کی روشنی انسانوں اور فرشتوں کی فکر کو منور کرتی ہے۔ پہلی طاسین پر مہاتما بُدھ کی تعلیمات اور اُس کے جواب میں ایک رقاصہ کی فریاد تھی۔ ہم نے دیکھا کہ اس میں مہاتما بُدھ کی تعلیمات کے اہم نکات درج تھے:

''کوئی شے بھی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔

غیب کو چھوڑو کہ یہ وہم و گمان ہے اور وہم و گمان کوئی چیز نہیں۔

قابلِ قدر بات یہ ہے کہ تم اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اِس سے بے نیاز رہو۔

اِس دنیا کا حسن اِس قابل نہیں کہ تم اُس پر توجہ دو، سیرت و کردار اور اچھے خیالات کا حسن ہی تمھارا مقصد ہونا چاہیے۔''

رقاصہ کی فریاد کچھ یوں تھی: ''مجھے پھر سے بھٹکنے کے لیے مت چھوڑ دیجیے۔ اپنی روح کے جلوے سے مجھے باندھے رکھیے۔ آپ ہی کی وجہ سے میرے دل میں وہ روشنی ہے جس نے مجھے چاند اور سورج سے بے نیاز کر دیا ہے۔''

دوسری طاسین زرتشت سے متعلق تھی۔ برائی کی روح یعنی اہرمن اُن کو تبلیغ سے روک رہا تھا۔ ''یہ صحیح ہے کہ تم نے صداقت کو پالیا ہے،'' اہرمن اُن سے کہہ رہا تھا: ''مگر دنیا کو اِس کی تعلیم مت دو۔ اُن پیغمبروں کی مشکلات یاد کرو جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ نوح اپنی قوم کو نہ بدل سکے اور آخر اُنھیں طوفان کی دعا مانگنی پڑی۔ دُوسرے انبیا اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں ستائے گئے اور مارے گئے، لہٰذا جو خدا کو پالے اُسے چاہیے کہ وہ دنیا چھوڑ دے اور اپنی فکر کی دولت لیے ایک کونے میں اس طرح بیٹھ جائے کہ اُس کی آنکھیں ایک مستقل استغراق کی کیفیت میں بند ہوں۔ یہ پیغمبری سے کہیں بہتر ہے۔''

زرتشت نے کہا: ''خدا کا نور ایک سمندر کی طرح ہے اور اُس میں مجھ جیسا طوفان کبھی پیدا نہیں ہوا۔ لہٰذا میرا یہ کام ہے کہ میں تاریکی کے ساحل پر حملہ کروں اور ہر طرف روشنی پھیلا دوں۔ یہ میں کر کے رہوں گا۔ جو راہ میں نے چنی ہے، تم مجھے اُس میں پیش آنے والی مشکلات کا تذکرہ کر کے روک نہیں سکتے۔ عشق جب پورا ہوتا ہے تو وہ دوسروں کو بہتری کی طرف بلائے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

تیسری طاسین مسیح سے تعلق رکھتی تھی اور اس میں طالسطائی کا خواب تھا۔ طالسطائی انیسویں صدی کا روسی مصلح تھا اور اُسے یہ بات بے حد تکلیف پہنچاتی تھی کہ بہت سی ایسی چیزیں عیسائیت کے نام پر عام ہوگئی ہیں جو اصل میں اِس سے تعلق نہیں رکھتیں۔ اُس کا خواب ایک ایسی وادی کے بارے میں تھا جو کوہسارِ ہفت مرگ میں تھی اور جہاں کسی قسم کی زندگی کا وجود نہ تھا۔ مٹی اتنی سیاہ اور کثیف تھی کہ چاند کی روشنی بھی یہاں تارکول میں بدل گئی تھی اور سورج بھی روشنی کے لیے پیاسا مر گیا تھا۔ اِس وادی کے عین درمیان میں پارے کا ایک تند و تیز چشمہ بہہ رہا تھا جس کی رفتار اور قوت دہشت ناک تھی۔

وہاں طالسطائی نے ایک بے یار و مددگار آدمی کو دیکھا جو کمر تک اُس چشمے میں پھنس گیا تھا اور مدد کے لیے چلّا رہا تھا۔ چشمے کے کنارے پر ایک خوبصورت عورت بیٹھی تھی جو کسی گڑیا کی طرح نازک تھی اور جس کے انداز میں جادو تھا۔ اُس کی نگاہ اچھے کو برا اور برے کو اچھا بنا دیتی تھی۔ اُس کا نام افرنگین تھا اور اُس نے اہلِ کلیسا کو کافری سکھائی تھی۔ اب طالسطائی نے اُسے پہچانا جو سیمابی چشمے کی دہشت ناک لہروں سے نبرد آزما تھا۔ وہ حضرتِ مسیح کا حواری تھا جس نے انھیں دھوکے سے رومیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اُسی لمحے ایک طاقتور لہر اس سے ٹکرائی اور اُس نے ایک دردناک چیخ بلند کی۔ اِس لہر کی ٹکر نے اُس کی ریڑھ کی ہڈی کو چٹخا دیا تھا۔

''اب کیا تم اس بات پر پچھتا رہے ہو کہ تم نے ہمارے مسیحؑ کے ساتھ کیا کیا؟'' افرنگین نے اُس غدار سے پوچھا جس کی اذیت میں اس طعنے کو سن کر کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

''دھوکے باز جادوگرنی!'' وہ درد سے چلّایا: ''اپنے جرم کی طرف دیکھو جو زیادہ سنگین ہے۔ تم نے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ خدا کو بھول کر اِس مادّی دنیا کے ہو جائیں۔ تمھاری وجہ سے عیسیٰ کے ماننے والوں نے اُس کی روح کے ساتھ وہی کیا ہے جو میں نے محض اُس کے جسم کے ساتھ کیا تھا!''

چوتھی طاسین آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰؐ سے متعلق تھی۔ اِس میں ابوجہل کا نوحہ درج تھا۔ رسول اللہؐ کی کامیابیوں کی وجہ سے مایوسی کا شکار ہو کر اُن کا یہ بدترین دشمن خانہ کعبہ میں اپنے قدیم خداؤں کے آگے رو رہا تھا اور اُن سے درخواست کر رہا تھا کہ وہ اس کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں: ''اے لات و منات!'' وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''محمدؐ نے میرے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ وہ مساوات کی تعلیم دیتا ہے اور اُس نے ہمارے نوجوانوں کو سیدھی راہ سے بھٹکا دیا ہے۔ نوجوان اب اپنے بزرگوں کی بات نہیں سنتے۔ وہ پرانی روایات سے دور ہٹتے جا رہے ہیں۔ محمدؐ نے اُن کو ایک اَن دیکھے خدا کی عبادت کرنا سکھا دیا ہے اور وہ ہمارے آبا و اجداد کے خداؤں کو جھٹلاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمام انسان برابر ہیں اور اُن میں ملک اور نسل کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں ہے۔ اے میرے آباؤ اجداد کے خداؤ! جبرئیل کے سحر کو توڑ دو! کعبہ سے رخصت مت ہونا اور اگر چلے ہی جاؤ تو کم از کم میرے دل میں ہمیشہ موجود رہنا۔''

عطارد کی زندہ روحیں

دو مُصلح

مجھے یہ یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ حقیقت ہے۔ ہم خلا میں سفر کر رہے تھے اور اب عطارد کے قریب پہنچ رہے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا سیّارہ تھا جو بادل سے پیدا ہوا تھا۔ یہاں صحرا، پہاڑ اور جنگل تو تھے مگر ابھی انسان کی دستبرد سے بچے ہوئے تھے اور اسی لیے یہاں فطرت میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ میں نے رومی سے کہا:

''مجھے یہاں زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے، پھر یہ اذان کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟''

رومی نے بتایا کہ یہ پاک روحوں کا مقام ہے۔ ماضی کے اولیا اور بزرگ یہاں رہتے ہیں، جیسے فضیل، ابوسعید، جنید اور بایزید۔ پھر انھوں نے مجھ سے کہا کہ ہمیں جلدی چلنا چاہیے تاکہ ہمیں اُس وقت کی نماز میں شامل ہونے کا موقع مل جائے۔

ہم دونوں تیزی سے آگے بڑھے اور دیکھا کہ ایک ترک ایک افغانی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا۔ رومی نے جیسے ہی اُنھیں دیکھا اُن کا چہرہ اشتیاق سے چمکنے لگا۔ اُنھوں نے مجھ سے کہا:

''موجودہ دور نے ان دو اشخاص سے بہتر انسان پیدا نہیں کیے، عظیم مبلغ جمال الدین افغانی، اور ترک مجاہد اور مصلح سعید حلیم پاشا! ایسے لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرنا صحیح معنوں میں عبادت ہے ورنہ محض جنت کے حصول کے لیے مزدوری ہے۔''

افغانی سورۂ النجم کی قرأت کر رہے تھے جو اِس ماحول میں نہایت حسبِ حال معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ قرآن کے اصل معانی میرے دل میں اب ظاہر ہو رہے ہیں۔

جیسے ہی اُنھوں نے نماز ختم کی، میں آگے بڑھا اور اُن کے ہاتھوں پر بوسہ دیا۔ پھر رومی نے اُن دونوں سے میرا تعارف ''زندہ رُود'' کے نام سے کروایا۔ زندہ رُود فارسی میں تند و تیز ندی کو کہتے ہیں اور چونکہ رومی کا خیال ہے کہ میں ہمیشہ تلاش میں رہتا ہوں اور زندگی کے سربستہ رازوں کی جستجو میں آگے ہی آگے بڑھتا رہتا ہوں، بالکل اُسی طرح جیسے ایک تند و تیز ندی اپنے راستے میں آنے والی رکاوٹ کو توڑتی ہوئی آگے بڑھتی رہتی ہے، اِس لیے اُنھوں نے مذاق سے مجھے ''زندہ رُود'' کا نام دیا تھا۔

افغانی نے مجھ سے کہا کہ میں اِس دُنیا کے موجودہ حالات سناؤں جہاں سے میں آیا ہوں۔ مجھے بڑے دکھ سے یہ کہنا پڑا کہ مسلمان اپنے عظیم ورثے کو بھول کر مغربی افکار و تصوّرات کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ وہ عالمگیر ملّتِ اسلامیہ کی ایک وحدت کے بجائے اپنی قومیتی شناخت سے وفاداریاں نبھا رہے ہیں اور اب اشتراکیت نے اُن کی رہی سہی قوت بھی چھین لی ہے۔ اشتراکیت وہ نظریہ ہے جو روس نے ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد سے اپنایا ہوا ہے۔ اگرچہ اِس کا مقصد استحصال کا خاتمہ ہے مگر یہ دہریت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔

افغانی نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا: ''اہلِ مغرب کس قدر چالاک ہیں، وہ اپنے علاقے میں قومیت کے پھل کا مزہ چکھ چکے ہیں اور مرکزیت کے بارے میں غور کر رہے ہیں جبکہ تمھیں وہ ابھی تک اپنی روح کے بجائے قومیت سے وفاداری نبھانے کا درس دے رہے ہیں! اشتراکیت کا فلسفہ دینے والا مفکر مارکس بلاشبہ ایک ذہین آدمی تھا اور اُس کے افکار کسی حد تک متاثر کن ہیں مگر اُس کا دل مومن اور ذہن کافر تھا۔ اُس کا فلسفہ پیٹ کی مساوات پر مبنی ہے جبکہ انسانیت کی اصل شان تو روح کی مساوات میں ہے۔ مغرب نے بہت عرصے سے روحانیت چھوڑ کر مادیت پر اپنی توجہ مرکوز کی ہوئی ہے۔''

سعید حلیم پاشا بھی گفتگو میں شامل ہو گئے۔ کہنے لگے، ''مصطفیٰ کمال ہی کو دیکھ لو، وہ بھی یہی غلطی دہرا رہا ہے۔ وہ نئے تصورات اپنا رہا ہے مگر تمام پرانی اقدار سے دُور جا رہا ہے۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے میرے دوست کہ قرآن کی آیات میں بہت سے ایسے جہان پوشیدہ ہیں جو ابھی تخلیق نہیں کیے گئے۔ اگر تم ایک نئی دنیا کی خواہش رکھتے ہو تو تمھیں بہت دور نہیں جانا پڑے گا۔ قرآن کی آیات میں سے ایک نیا جہان ڈھونڈو اور اُسے باہر لے آؤ۔''

''قرآن کی جو تعلیمات ہمیں اِس دَور میں ضرور یاد رکھنی چاہییں وہ یہ ہیں،'' افغانی نے عالمانہ شان کے ساتھ اضافہ کیا: ''اول یہ کہ انسان زمین پر خدا کا نائب ہے۔ دوم یہ کہ اطاعت کے قابل صرف اللہ کی حکومت اور اُس کا آئین ہے، نہ کہ زمینی آمروں کا۔ سوم یہ کہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے اور مالداروں کو اللہ کی طرف سے امانت دی گئی ہے تاکہ وہ اسے دوسروں کی بھلائی کے لیے خرچ کریں۔ چہارم یہ کہ حکمت خیرِ کثیر ہے۔''

افغانی نے اِن چار نکات کی تفصیل کے ساتھ وضاحت کی اور جیسے جیسے وہ سمجھاتے جا رہے تھے، مجھے اپنے اندر فہم کی ایک نئی روشنی پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ ''بے شک اب میں اللہ کی کتاب کو زیادہ بہتر سمجھ گیا ہوں،'' جب وہ وضاحت کر چکے تو میں نے کہا: ''مجھے حیرت ہے کہ ہمارے مولوی اِس کی تعلیم کیوں نہیں دیتے؟''

''ہونہہ!'' سعید نے ناگواری سے کہا: ''وہ قرآن کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ خدا کے نام پر فساد کروانا ہی اُن کا مذہب ہے۔ دراصل وہ یہی کچھ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔''

رُومی پر بھی افغانی کے بصیرت افروز بیان نے بڑا گہرا اثر ڈالا۔ میں نے اُن کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ پھر اُنھوں نے میری طرف دیکھا اور کہا: ''دو چار شعر سُناؤ اور روح میں آگ لگا دو۔''

میں اِس عزت افزائی پر بے حد مسرور ہوا اور اپنی ایک غزل کا یہ حصّہ سنایا:

ایں گل و لالہ تو گوئی کہ مقیم اندہمہ
راہ پیما صفتِ موجِ نسیم اندہمہ
معنیِ تازہ کہ جوئیم و نیابیم کجا ست
مسجد و مکتب و میخانہ عقیم اندہمہ
حرفے از خویشتن آموز و دراں حرف بسوز
کہ دریں خانقہ بے سوزِ کلیم اندہمہ

باغ میں چلنے والی ہوا کی طرح وہ پھول بھی گرمِ سفر ہیں جنھیں لوگ ایک جگہ ٹھہرا ہوا سمجھتے ہیں۔ نئے معانی جو تلاش کے باوجود نہیں ملتے، کہاں ہیں؟ مسجدیں، درس گاہیں اور میخانے تو سب بانجھ ہیں۔ اپنے آپ سے ایک حرف سیکھ لو اور پھر اُسی میں جلتے رہو کہ اِس خانقاہ میں موسیٰ کا سوز رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔

زہرہ کی پرخطر وادی

قدیم بتوں کی مجلس

سورج اور چاند کی روشنی کے درمیان کی تہ در تہ فضا میں ہمارے سامنے شعلے رقص کر رہے تھے جن سے انسان کے دل میں مزید سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔ اِس کی تپش نے میری خون کی رفتار کو تیز کر دیا اور وہ میری رگوں میں پارے کی مانند بہنے لگا۔ یہ اس لیے تھا کہ میرے جسم میں روح بیدار ہو رہی تھی۔ جب روح ایک ایسی دنیا کی جانب سفر کرتی ہے جس کی کوئی حد ہے نہ سمت، تو وہ آزاد ہو جاتی ہے۔ پھر موت اور قیامت محض اُس کی شان میں مزید اضافے کا بہانہ بن جاتی ہیں۔

میں ایک چٹان کے سرے پر کھڑا اس منظر کے حسن سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ یہ ایک وادی تھی جس کی زمین ہموار تھی۔ اِس میں کوئی نشیب و فراز نہ تھے اور اس کی مٹی کی نرمی پانی کو بھی شرماتی تھی۔

یہ وادی مصر، یمن، عرب اور عراق کے پرانے اور باطل خداؤں سے پٹی پڑی تھی۔ کوئی ملاپ کا دیوتا تھا، کوئی جدائی کا۔ کچھ نسلی اعتبار سے ایک دوسرے سے تعلق رکھتے تھے اور کچھ تعلق پیدا کرنے کے خواہش مند نظر آتے تھے۔ کچھ کے ہاتھ میں دو دھاری تلوار تھی اور کچھ کی گردنوں کے گرد سانپ لپٹے ہوئے تھے۔ مگر اِن سب نے ابراہیمؑ کی ضرب سہی تھی اور خدا کے نام سے خوف کھاتے تھے۔

اِس دوران میں مردوخ نے اپنے ساتھیوں سے کہنا شروع کیا: ''انسانوں نے خدا سے اپنا منہ موڑ لیا ہے۔ وہ مذہب سے دور ہو گئے ہیں۔ پرانے آثار کی تلاش میں انھیں لطف آتا ہے اور اپنے جہان کو وسعت دینے کے نام پر وہ ہمیں ایک نئی زندگی عطا کر رہے ہیں۔ ایک نئی داستان لکھی جانے والی ہے اور فضا ہماری خواہشات کے لیے سازگار ہے۔''

یہ سن کر بعل خوشی سے جھومنے لگا۔ اُس نے اِن جھوٹے خداؤں کے سامنے ایک گیت گایا جو ہماری موجودہ حالت کو بیان کر رہا تھا۔ اس گیت کا خلاصہ اِس طرح ہے:

''انسان آسمانوں سے پرے دیکھتا ہے مگر پھر بھی خدا نظر نہیں آتا تو وہ اپنی روح کے بجائے مادّی دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

زندہ باد، اے یورپ کے مستشرق! تو ہمیں قبروں سے باہر نکال لایا۔

اے قدیم خداؤ! اب وقت ہمارے ساتھ ہے۔

ذرا دیکھو کہ توحید کا حلقہ ٹوٹ چکا ہے اور آلِ ابراہیمؑ عشقِ الٰہی کی لذت کھو چکی ہے۔

وہ اب علاقائی شناخت کے لیے سرگرداں ہے۔

وطن اور قومیت کے ہاتھوں مذہب شکست کھا چکا ہے۔

رات کے خوف سے دن پیلا پڑ چکا ہے۔

اے قدیم خداؤ! اب وقت ہمارے ساتھ ہے۔

انسانوں کو مذہب کے پھندوں سے آزاد ہوکر ہماری طرف رُخ کرنا چاہیے کیونکہ ہماری طرف متوجہ ہوکر ہی وہ لذت پاسکتے ہیں۔

وہ شیطان جو نظر آئے اُس خدا سے بہتر ہے جسے پردے میں رہنا پسند ہے!

اب وقت ہمارے ساتھ ہے۔''

رومی نے، جن کے ہر عمل سے خدا کی تعریف بیان ہوتی ہے، ایسے یقین کے ساتھ ایک گیت گایا کہ تمام قدیم خدا اس طرح سجدے میں گر گئے جیسے ابراہیمؑ نے اُنھیں دوبارہ ضرب لگائی ہو:

باز بر رفتہ و آیندہ نظر باید کرد
ہلہ بر خیز کہ اندیشہ دگر باید کرد
عشق بر ناقۂ ایّام کشد محملِ خویش
عاشقی؟ راحلہ از شام و سحر باید کرد

پیر ما گفت جہاں بر روشے محکم نیست
از خوش و ناخوشِ او قطعِ نظر باید کرد
گفتمش در دل لات و منات است بسے
گفت ایں بتکدہ را زیرو زبر باید کرد

جو گزر چکا ہے اور جو آنے والا ہے، اُس پر دوبارہ نظر ڈالنی چاہیے۔ چلو، اٹھو کہ اب نئی سوچ ہونی چاہیے۔ عشق نے وقت کی اونٹنی پر اپنا محمل باندھ لیا ہے۔ کیا تم عاشق ہو؟ تو پھر صبح اور شام تمھارے لیے گھنٹیوں کی طرح ہونے چاہییں۔ میرے مرشد نے کہا کہ دنیا ایک سی حالت پر قائم نہیں رہتی تو پھر اس کی خوشی اور غم کی طرف بھی نہیں دیکھنا چاہیے۔ میں نے مرشد سے کہا کہ میرے دل میں کئی لات اور منات ہیں۔ مرشد نے جواب دیا کہ پھر اس بتخانے کو درہم برہم کر دینا چاہیے۔

فرعون و مہدی

میرے سامنے ایک برف پوش پہاڑ تھا۔ رومی مجھے اُس کے دُوسری طرف موجود ایک گہرے، زمرّد جیسے سمندر کی طرف لے گئے۔ سمندر بالکل

ٹھہرا ہوا تھا اور اُس کی گہرائیوں سے کوئی لہر اٹھتی تھی، نہ کوئی بھنور بنتا تھا۔ رومی نے بتایا کہ اس کے مزاج میں ہمیشہ کا سکون ہے۔

لہروں میں حرکت نہ ہونے کی وجہ سے سمندر بالکل شیشے کی طرح شفاف لگ رہا تھا اور اُس کی تہ سطح پر نظر آ رہی تھی۔

رومی نے مجھے بتایا، ''یہ اُن باغی روحوں کا مسکن ہے جنھوں نے اپنی طاقت کے بل پر حکومت کی اور خدائے غائب کے وجود سے انکار کیا۔ اُن میں سے دو یہاں ہیں۔ ایک کا تعلق مشرق سے اور دوسرے کا مغرب سے ہے۔ ایک کو موسیٰؑ نے ضرب لگائی جبکہ دوسرا ایک درویش کے قہر کا نشانہ بنا۔ دونوں سمندر میں پیاسے ڈوب مرے کیونکہ ظالم کی موت بلاشبہ خدا کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ میرا ہاتھ تھامو اور میرے ساتھ آؤ۔''

رومی نے موسیٰؑ کی طرح سمندر کا سینہ چیر دیا اور پانی ہوا کی طرح اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ اس کی تہ میں ایک بے رنگ و بو اور سپاٹ وادی تھی۔ اُس میں تہ در تہ تاریکی کا راج تھا۔ رومی نے سورۂ طٰہٰ پڑھنی شروع کی جو قرآن کی ایک انتہائی پراثر سورت ہے جس میں لوگوں سے کہا گیا ہے کہ موسیٰؑ کو دی جانے والی تکلیفوں اور مشکلوں کو یاد کریں۔ اچانک اندھیرا اس طرح روشن ہو گیا گویا چودھویں کے چاند کی روشنی ہو اور اب مجھے پہاڑ نظر آنے لگے جو بالکل چٹیل اور انتہائی سرد تھے۔ وہاں دو آدمی افسردہ اور پریشان پھر رہے تھے۔ اُنھوں نے رومی کی طرف دیکھا اور ایک نے دوسرے سے کہا: ''حیرت ہے یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟'' یہ فرعون تھا، قدیم مصر کا مغرور اور ظالم حکمران جس نے حضرت موسیٰؑ کے لوگوں کو آزادی دینے سے انکار کیا تھا اور حق کو ٹھکرایا تھا۔

رومی نے اُسے جواب دیا: ''بلاشبہ یہ روشنی اپنے منبع سے پھوٹ رہی ہے۔ یہ وہی نور ہے جو موسیٰؑ کے دائیں ہاتھ سے پھوٹا تھا اور اُنھوں نے اسے تمھارے سامنے خدا کی نشانی کے طور پر پیش کیا تھا۔''

''آہ!'' فرعون اپنے کرب پر قابو نہ رکھ سکا۔ ''اُس وقت میں سچائی کو پہچان نہ سکا اور اب یورپ کے چور ہماری قبروں کو کھود رہے ہیں۔ ہماری ممّیاں دُنیا بھر کے عجائب خانوں کی زینت بن رہی ہیں۔ اپنے اندر کی آنکھ سے ان کی طرف دیکھو اور ظلم کی حقیقت کو سمجھو۔ بادشاہ اپنی رعایا میں پھوٹ ڈال کر اُن پر حکومت کرتے ہیں مگر اِس طرح ملک ترقی نہیں کر سکتے۔ کاش موسیٰؑ ایک بار مجھے دوبارہ مل جائے اور میں اُس سے ایک ایسا دل مانگ لوں جو حق کو پہچان سکے۔''

رومی نے کہا کہ ہر حکومت محض جبر ہے جب تک وہ روح کی روشنی سے روشن نہ ہو۔ فوج، قید خانے اور زنجیریں سب رہزنوں کے ہتھکنڈے ہیں۔ حقیقی حاکم وہی ہے جو اِن چیزوں کے بغیر حکومت کرے۔

فرعون کا ساتھی لارڈ کچنر تھا جو ایک زمانے میں برطانوی فوج کا سپہ سالار تھا۔ میں نے سنا تھا کہ جب اُس نے سوڈان کو فتح کیا تو وہاں مہدی سوڈانی کی قبر کھود ڈالی جو ایک مجاہدِ آزادی تھے اور جنھوں نے مغربی استعمار کا مقابلہ کیا تھا۔ کچنر نے اُن برطانوی سپاہیوں کی موت کا بدلہ لینے کے لیے جو جنگ میں مہدی کے ہاتھوں ہلاک ہوئے تھے، مہدی کی ہڈیوں کو قبر سے نکال کر دریا میں بہا دیا تھا۔ بہت سال بعد کچھ دشمنوں نے کچنر کے بحری جہاز پر حملہ کر دیا اور وہ سمندر میں ڈوب مرا۔

وہ یورپ پر کی گئی ملامت پر خاموش نہ رہ سکا۔ ''نہیں،'' اُس نے فرعون سے کہا: ''اہرام سے ممّیاں برآمد کرنے والے چور نہیں ہیں، وہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین ہیں اور تمھاری قبروں کو اس لیے کھود رہے ہیں تاکہ ماضی کے بارے میں جان سکیں۔''

''تم لوگوں نے ہماری قبریں تو علم و حکمت کی جستجو میں کھود ڈالیں مگر مہدی کی قبر میں تم کیا ڈھونڈنا چاہتے تھے؟'' فرعون نے کہا اور میں نے محسوس کیا کہ درویش کا نام آتے ہی پانی میں بجلی سی کوند ی ہے۔ لہریں اٹھیں اور آپس میں ٹکرا گئیں۔ جنت کی ہوا کے ایک خوشبودار جھونکے کے ساتھ وہ خود وہاں آ گئے۔ ''اے کچنر!'' انھوں نے کہا: ''اگر نظر رکھتے ہو تو میرا انتقام دیکھو! تمھیں قبر بھی نصیب نہ ہوئی سوائے کھارے پانی کی تہ کے۔ تم اُس میں غرق ہوئے۔''

مہدی کی روح بے چین اور پریشان نظر آتی تھی۔ اُنھوں نے عربی اور افریقی ممالک کے حکمرانوں کو پیغام دیا کہ وہ بیدار ہوں اور اپنی آزادی کے لیے ایک ہو جائیں۔ ''اے ساربان! ہمارے دوست تو پہلے ہی رسول اللہؐ کے شہر پہنچ چکے ہیں اور ہم ابھی تک راستے میں ہیں۔ کیا کوئی ایسا گیت نہیں جو ہماری اونٹنی کی رفتار تیز کر دے؟''

اہلِ مریخ سے ملاقات

مریخ کی شاندار دنیا

میں نے آنکھیں بند کیں اور پلک جھپکتے میں خود کو ایک نئی دنیا میں پایا۔

یہ مریخ تھا۔ یہ زمان و مکان کی ایک مختلف جہت میں موجود تھا، مگر وہی سورج جو ہماری زمین کو روشنی اور توانائی عطا کرتا ہے، اس نے یہاں ایک نئی طرح کے دن رات پیدا کیے تھے۔ ہماری زندگی خود کو وقت کے ہر عمل کے مطابق ڈھال لیتی ہے لہٰذا میں نے مریخ کی دنیا کو سمجھنا شروع کر دیا۔ یہاں ہر نیا دن خوشی کی کوئی نئی وجہ اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ یہاں لوگ گزرتے وقت کے ساتھ بوڑھے نہیں ہوتے بلکہ ان سے ایک نور پھوٹتا رہتا ہے جس سے دن فضا کو منور کرتا ہے۔ اس سیارے پر زندگی رات اور دن کو توانائی فراہم کرتی ہے اور اسی لیے مجھے خواہش ہوئی کہ زندگی کا جوہر دریافت کروں اور اس کے انداز سے واقفیت حاصل کروں۔

میں نے ایک مرغزار دیکھا۔ اس مرغزار کے اندر ایک طویل رصدگاہ تھی۔ اس کی دوربین نے سب سے بلند ستارے کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ دونوں دنیائیں ایک دوسرے سے مشابہت رکھنے کے باوجود کس قدر مختلف ہیں۔ اور جب میں نے اس وسیع دنیا کا سِرا ڈھونڈنا چاہا تو میری نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔

رومی نے، جو ایک تیز نگاہ رکھتے ہیں، مجھے کہا: اس دنیا کی سیر کرو، اس کے شاندار حسن کو دیکھو اور اس کے بارے میں علم حاصل کرو۔ ''یہ دنیا بہت سے معاملوں میں بالکل ہماری دنیا کی طرح ہے۔''

انھوں نے کہا: ''یہ رنگ و بو سے سجی ہوئی ہے، اس میں شہر ہیں، آبادیاں اور مکانات ہیں۔ مریخ کے رہنے والے یورپیوں کی طرح ہنرمند ہیں بلکہ روح و بدن کے علم میں یہ ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ زمان و مکان پر اِن کی گرفت ہم سے کہیں زیادہ ہے۔ جس طرح ہمارے دل ہمارے بدن میں قید ہیں اور اس کے زیرِ اثر ہیں، اہلِ مریخ کے بدن اِن کے دلوں میں سموئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ خوشی کا تعلق دل سے ہے بدن سے نہیں۔ ہماری زمین پر وجود کے دو حصّے ہیں: بدن، جو نظر آتا ہے اور روح، جو نظر نہیں آتی۔ مریخ پر یہ تقسیم نہیں ہے، یہاں فکر کی یکسوئی ہے۔ جب ان میں سے کوئی مرنے کے قریب ہوتا ہے تو رخصت کا یہ تصوّر اُسے نیا ولولہ دیتا ہے اور وہ دو دن پہلے اپنی موت کا اعلان کر دیتا ہے۔ یہاں بدن کو اپنی روح میں سمو لینے اور اِس جہان سے اپنے آپ میں سمٹ جانے کو موت کہتے ہیں۔ مگر یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ اہلِ مریخ کے برخلاف ہماری روح ہمارے بدن کے قبضے میں ہے۔ بہرحال، یہ موقع ہر کسی کو عطا نہیں ہوتا لہٰذا ہمیں یہاں ایک دو لمحے ٹھہرنا چاہیے۔''

مریخی ماہرِ فلکیات

میں اوپر جس رصدگاہ کا ذکر کر چکا ہوں، اس سے نکل کر ایک بوڑھا آدمی سامنے آیا جس کی داڑھی بالکل سفید تھی اور جس کی زندگی علم و حکمت کی جستجو میں کٹی تھی۔ وہ تیز فہم تھا اور اُس کا لباس عیسائی پادریوں جیسا تھا۔ وہ عمر رسیدہ اور سرو قد تھا، اُس کا چہرہ ترکوں کی طرح چمک رہا تھا، وہ ہر طرح کے

علم سے واقف تھا اور اُس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ہمیں دیکھا تو اُس کا چہرہ کھل اُٹھا اور اُس نے فارسی میں ہم سے بات کرنا شروع کی۔ اُس نے ہمیں اپنی دنیا کے لوگوں کی اِس حیرت انگیز ترقی کی کہانی سنائی۔

اُس نے بتایا کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے زمانے میں ایک پاکباز مریخی تھا جس نے زمین کے سفر کا اِرادہ کیا۔ وہ موجودات کی مختلف فضاؤں میں پرواز کرتا ہوا صحرائے حجاز میں جا اُترا۔ جو کچھ اُس نے مشرق اور مغرب میں دیکھا اُسے لکھ لیا اور واپس آ گیا۔

''میں ایران بھی گیا ہوں اور انگریزوں کی سرزمین کی سیر بھی کی ہے،'' مریخی ماہر فلکیات نے ہمیں بتایا: ''میں نیل اور گنگا کی وادیوں میں بھی پھرا ہوں۔ میں امریکہ، جاپان اور چین میں دھاتوں اور معدنیات کی تحقیق کے لیے بھی گیا ہوں۔ انسانوں کے کارنامے میری نظر میں ہیں گو وہ ہمارے وجود سے بے خبر ہیں۔''

''میں آسمان سے ہوں اور میرا ساتھی زمین سے تعلق رکھتا ہے،'' رومی نے کہا: ''یہ ایک آزاد روح ہے اور میں اِسے زندہ رُود کے نام سے پکارتا ہوں۔ ہم آپ کی دنیا میں زندگی کی نئی جہتوں اور نئے تقاضوں کی جستجو میں آئے ہیں۔ کیا آپ ہمیں اپنی دنیا کی سیر کروائیں گے؟''

''یہ برخیا کے گردونواح کا علاقہ ہے،'' ماہر فلکیات نے کہا: ''برخیا ہمارے پہلے جدِّ امجد کا نام ہے جو تمام مریخ والوں کے باپ تھے، جیسے زمین کے لیے آدم اور حوا ہیں۔ فرزمرز نے جو برائی کا سردار ہے، برخیا کو بھی ایک ایسی دنیا کا خواب دکھا کر بھٹکانے کی کوشش کی جو اُس جنت سے زیادہ شاندار تھی جس میں خدا نے انھیں رکھا تھا۔ 'وہ دنیا تمام دنیاؤں سے زیادہ اچھی ہے،' فرزمرز نے کہا تھا۔ 'اُس دنیا میں کسی قسم کی پابندیاں نہیں ہیں۔ ایک ایسی دنیا جہاں خدا ہے نہ اُس کا کلام، کوئی پیغمبر ہے نہ جبرئیل!' مگر برخیا اس بیان سے متاثر نہ ہوئے اور فرزمرز سے کہا کہ اگر وہ دنیا اتنی ہی

خوبصورت ہے تو تم خود کیوں نہیں چلے جاتے۔ یوں ہمارے جدِّ امجد نے ابلیس کا فریب نہ کھایا۔ اس کے صلے میں خدا نے اُن کے لیے یہ دنیا تخلیق کی۔ یہ مرغدین کہلاتی ہے۔ آؤ، ذرا اس کا شاندار نظارہ دیکھو۔''

مرغدین شہر ایک شاندار مقام ہے جہاں بلند عمارتیں ہیں۔ یہاں کے لوگ خوبصورت، بے غرض اور سادہ ہیں۔ وہ ایک ایسی زبان بولتے ہیں جو شہد کی طرح میٹھی ہے اور کانوں کو بھلی لگتی ہے۔ وہ مادّی اشیا کے پیچھے نہیں بھاگتے بلکہ علم کے نگہبان ہیں اور اپنی حکمت ہی سے دولت کشید کرتے ہیں۔ اِس دُنیا میں علم و ہنر کا واحد مقصد زندگی کو مزید بہتر بنانا ہے۔ روپے پیسے سے وہاں کوئی واقف نہیں اور اُن کا مزاج بھی آسمان کو سیاہ کرنے والی مشینوں کا غلام بن جانے والا نہیں۔ کسان سخت محنتی اور اپنے حال پر مطمئن ہیں۔ وہاں کوئی زمیندار نہیں جو اُن کی کھیتی لوٹ سکے اور پیداوار کا پورا ثمر کسان ہی کو ملتا ہے۔ وہاں علم و حکمت دھوکے اور فریب کے لیے استعمال نہیں ہوتے۔ اِسی لیے وہاں نہ کوئی فوج ہے، نہ قانون نافذ کرنے کی ضرورت کیونکہ مرغدین میں جرم کا وجود ہی نہیں۔ بازار شور وغل اور مانگنے والوں کی چیخ پکار سے پاک ہیں۔

''یہاں کوئی مانگنے والا نہیں ہے،'' مریخی ماہر فلکیات نے کہا: ''نہ کوئی غریب ہے۔ نہ غلام ہے نہ مالک ہے، نہ حاکم ہے نہ کوئی محکوم!''

میں نے کہا، ''یہ سب تو خدا کی مرضی سے ہوتا ہے کہ ہم فقیر پیدا ہوں یا کنگال، حاکم پیدا ہوں یا محکوم۔ وہی تقدیر بنانے والا ہے۔ دلائل یا عقل سے قسمت کو بہتر نہیں بنایا جا سکتا۔''

''اگر تم تقدیر کے ہاتھوں تکلیف اٹھا رہے ہو تو خدا سے ایک نئی تقدیر مانگ لینا بالکل جائز ہے،'' ماہرِ فلکیات نے جواب دیا اور اس کے انداز میں ایک واضح غصّہ تھا۔ ''خدا کے پاس تقدیروں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ تقدیر کی معنویت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہی اہلِ زمین اپنی خودی کھو چکے ہیں۔ تقدیر کا راز یہ ہے: اپنے آپ کو بدل دو اور تمھاری تقدیر تمھارے ساتھ ہی بدل جائے گی۔ اگر تم خاک ہو تو ہوا تمھیں بکھیر دے گی لیکن اگر تم پتھر بن جاؤ تو شیشہ کا پہاڑ بھی توڑ سکتے ہو۔ اگر تم شبنم کا قطرہ ہو تو تمھاری تقدیر نیچے گر جانا ہے، لیکن اگر تم سمندر ہو تو ہمیشگی تمھاری تقدیر ہے۔ تمھارے نزدیک ایمان کا مطلب دوسروں سے مطابقت اختیار کرنا ہے اور چونکہ تم خود اپنے آپ سے موافقت نہیں رکھتے اس لیے تمھارے افکار و خیالات تمھارے لیے قید خانہ بن گئے ہیں۔ اگر یہی دین ہے تو حیف ہے، ایسے دین پر جسے تم نے افیون کی گولی بنا رکھا ہے!'' پھر اُس نے چند لمحہ توقف کے بعد اضافہ کیا: ''ہیرا تب تک ہیرا ہے جب تک تمھاری نظر میں قابلِ قدر ہے ورنہ محض پتھر کا ٹکڑا ہے۔ تم دنیا کو جس طرح دیکھو گے، دنیا ویسی ہو جائے گی۔ آسمان اور زمین بھی خود کو اُس کے مطابق تبدیل کر لیں گے۔''

ایک ساحرہ

میں ہزاروں عمارتوں اور مختلف علاقوں سے گزر کر ایک وسیع میدان میں پہنچا جو اس شہر کے سرے پر واقع تھا۔ میدان عورتوں اور مردوں سے پٹا پڑا تھا اور اُن کے درمیان ایک دراز قد عورت کھڑی تھی۔ حالانکہ اس کا چہرہ روشن تھا مگر وہ روح کے نور سے خالی تھی۔ اُس کے الفاظ بے جان اور اُس کی آنکھیں بے تاثر تھیں۔ وہ عشق اور اُس کے آداب سے بے خبر تھی۔ وہ جوانی کے جوش و جذبے سے محروم تھی لہٰذا وہ ایک ایسے کبوتر کی طرح تھی جسے عشق کا شاہین رد کر چکا ہو۔

نکتہ داں ماہرِ فلکیات نے بتایا کہ یہ اہلِ مریخ میں سے نہیں ہے۔ یہ ایک سادہ عورت تھی اور مکر و فریب سے دور تھی مگر فرزمرز اِسے یورپ سے اغوا کر لایا اور پیغمبرانہ طور طریقے سکھانے کے بعد اہلِ مریخ کے درمیان بھیج دیا۔ اب یہ کہتی ہے کہ یہ آسمان سے نازل ہوئی ہے اور اس کی دعوت، دعوتِ آخر الزّماں ہے۔ یہ عورت اور مرد کے مراتب کے بارے میں بات کرتی ہے اور بدن کے راز کھول کر بیان کرتی ہے۔

میں نے سنا وہ کہہ رہی تھی: ''اے عورتو! ماؤں اور بہنو! تم کب تک محض ایک محبوبہ کی طرح زندگی گزاروگی؟ مرد سے دوستی نے تمھاری زندگی کو دُکھ سے بھر دیا ہے۔ اُس سے ملنا موت کا پیغام ہے۔ اُس سے دُور ہونا ہی تمھیں خوشی دے سکتا ہے۔ وہ چالباز ہے۔ اس مصیبت سے دور رہو اور اس کے زہر سے اپنے خون کو آلودہ مت ہونے دو۔ ایک ماں جب تخلیق کا درد سہتی ہے تو اُس کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ زندگی کس قدر شاندار ہوا گر تم جسم کے تعلق سے آزاد ہو جاؤ۔''

رومی نے مجھ سے کہا: ''لادین تہذیب کا نتیجہ دیکھ لو۔ عشق ہی زندگی کا ابدی آئین ہے۔ تہذیب کی بنیاد مذہب ہے اور مذہب کی بنیاد عشق ہے۔ عشق بظاہر دل کو آگ کی طرح جلاتا اور تڑپاتا ہے مگر دراصل یہ خدا کے نور سے منور ہے۔ عشق کی اندرونی توانائی اور جوش و جذبے سے ہی علم و فن کی تخلیق ہوتی ہے اور وہ پھلتے پھولتے ہیں۔ عشق کے آداب سیکھے بغیر مذہب نامکمل رہتا ہے۔ اس لیے مذہب کو عشق والوں کی صحبت میں تلاش کرو۔''

مشتری کے آس پاس

مسافروں کا جہاں

اس کے بعد ہم ایسی ارواح سے ملے جنھوں نے بہشت میں بس جانے کے بجائے ہمیشہ سفر میں رہنے کو پسند کیا!

میں اپنے دل کے قربان جاؤں جو مجھے ہر لمحہ ایک نئے ویرانے سے آشنا کرتا ہے۔ جب بھی میں قیام کے بارے میں سوچوں، یہ مجھ سے کہتا ہے: ''اٹھو! جو اپنے آپ کو پہچانتا ہے اُس کے لیے سمندر بھی معمولی چیز ہے۔ اے مسافر! جب خدا کی نشانیوں کی کوئی انتہا نہیں تو پھر تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ تمھارے سفر کی آخری حد آ گئی؟'' چنانچہ میں اب اُس مردِ پاک رومی کے فیض سے نئے نظاروں کی تلاش میں آسمانوں میں سرگرداں تھا۔ رومی نے اپنی روح کا جوش و جذبہ مجھ میں منتقل کر دیا تھا۔ ہم مشتری کے نواح میں جا پہنچے۔

مشتری ایک نامکمل سیارہ تھا جس کے گرد کئی چاند تیزی سے چکر لگا رہے تھے۔ اِس کے انگوروں سے ابھی تک شراب کشید نہیں کی گئی تھی نہ اس کی مٹی سے ابھی آرزو اور عشق کا پودا اُگا تھا۔ چاند آدھی رات کے وقت بھی آسمانوں کو اِس طرح روشن کر دیتے تھے کہ دن لگتا تھا۔ ہوا میں گرمی تھی نہ ٹھنڈک۔ میں نے اوپر دیکھا تو آسمان پر اس ستارے کو خود سے اِس قدر قریب پایا کہ اِس نظارے کی ہیبت سے میرے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ نزدیک و دور اور دیروز و د، سب تصورات آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔

میں نے اپنے سامنے تین پاکباز روحوں کو دیکھا جو سرخ چادریں اوڑھے ہوئے تھیں۔ اُن کے چہرے دل کی تپش سے روشن ہو رہے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ پتھروں کو بھی پگھلا سکتے ہیں۔ وہ روزِ الست کی لذّت میں گم تھے جب خدا نے تمام روحوں سے پوچھا تھا، ''کیا میں تمھارا رب نہیں؟'' اور سب نے جواب دیا تھا: ''یقیناً۔ آپ ہی ہیں!'' وہ تینوں کچھ گا رہے تھے اور اپنی ہی آواز میں غرق تھے۔

رومی نے مجھ سے کہا: ''اِس طرح بے خود نہ ہو۔ اِن کے نغموں سے زندگی کا پیغام حاصل کرو۔ غالب، حلاّج اور اِس ایرانی خاتون کے نغموں نے طوفان برپا کیے تھے۔ اِن کی روح رہنے والی ہے کیونکہ اِنھوں نے یہ جذب و شوق اِس کائنات کے دل سے حاصل کیا۔''

حلاّج کا نغمہ یہ تھا:

شریکِ حلقۂ رندانِ بادہ پیما باش
حذر ز بیعتِ پیرے کہ مردِ غوغا نیست!

عشق کی شراب پی کر مست رہنے والوں کی صحبت میں بیٹھو۔ ایسے بزرگ کی بیعت سے بچو جسے ہنگامے پسند نہیں!

پھر میں نے غالب کو سنا، وہ کہہ رہے تھے:

اگر زشحنہ بود گیر و دار نندیشم
و گر ز شاہ رسد ارمغاں بگردانیم

یعنی اگر کوتوال پکڑ دھکڑ مچائے تو ہم پروانہ کریں اور اگر بادشاہ کی طرف سے بھی تحفہ آئے تو ہم رد کر دیں۔

ایرانی خاتون جن کا ذکر رومی نے کیا تھا، قرۃ العین طاہرہ تھیں، جنھیں شہید کیا گیا تھا۔ ان کا نغمہ یہ تھا:

از پئے دیدنِ رُخت ہمچو صبا فتادہ ام
خانہ بخانہ، در بدر، کوچہ بکوچہ، کو بکو!
می رود از فراقِ تو خونِ دل از دو دیدہ ام
دجلہ بدجلہ، یم بہ یم، چشمہ بہ چشمہ، جو بجو!

مطلب یہ تھا کہ تمھارا چہرہ دیکھنے کے لیے میں باغ کی ہوا کی طرح پھر رہی ہوں، ہر گھر، ہر دہلیز، ہر گلی، ہر محلّہ! تمھاری جدائی میں میرے دل کا خون میری دونوں آنکھوں سے بہہ رہا ہے، ہر دریا میں، ہر سمندر میں، ہر چشمے میں، ہر ندّی میں!

مکالمہ

میں نے حلاّج سے پوچھا کہ آپ نے اور ان دونوں روحوں نے جنّت کو کیوں ٹھکرا دیا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم جیسی آزاد روحوں کے لیے ہمیشہ سفر میں رہنا ہی بہترین جنت ہے۔ پھر میں نے اُن سے کچھ اور سوال پوچھے جن میں سے ایک وہ تھا جس نے مجھے ہمیشہ سے الجھن میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، حلاج کو ''انا الحق'' کا نعرہ بلند کرنے کی وجہ سے سولی پر لٹکا دیا گیا تھا۔ میں ہمیشہ سے یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کا اصل مطلب کیا تھا اور اب مجھے یہ موقع مل گیا تھا کہ میں اِس صوفی سے براہِ راست یہ سوال پوچھ سکوں۔

''میں نے ایک ایسی قوم دیکھی جو زندگی سے دُور ہوتی جا رہی تھی تو سوچا کہ اُنھیں بیدار کر دوں،'' حلاّج نے کہا: ''وہ کہتے تھے کہ وہ خدا پر یقین رکھتے ہیں مگر اُنھیں خود پر یقین نہیں تھا۔ تم قادرِ مطلق پر یقین کیسے کر سکتے ہو اگر تمھیں اپنے آپ پر یقین نہ ہو!''

اِس نکتے پر طاہرہ بھی گفتگو میں شریک ہو گئیں۔ انھوں نے مجھ سے کہا: ''جن کا عشق عقل کی پہنچ سے باہر نکل چکا ہو اُن کے عمل سے نئی دنیائیں جنم لیتی ہیں، شہید زمانے کے ضمیر میں چھُپ جاتا ہے۔''

مجھے مرزا غالب سے بھی ایک ایسا ہی سوال کرنا تھا جس نے مجھے الجھن میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ زمین پر اُن کے ایک شعر پر خاصی بحث ہو رہی تھی مگر اُس کے معنی مجھ پر واضح نہیں تھے:

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے!

میں نے غالب سے درخواست کی کہ وہ اِس شعر کی وضاحت کریں۔ اُنھوں نے جواب دیا: ''محبت ہر ایک پر مختلف اثر کرتی ہے۔ یہ تمھیں رنگوں سے بھی نواز سکتی ہے اور تمھیں جلا کر خاک بھی کر سکتی ہے۔ یہ اِس پر منحصر ہے کہ تم اِس سے کیا اثر لیتے ہو۔''

پھر میں نے سوال کیا کہ کیا ہر دنیا کے لیے الگ الگ انبیا بھیجے گئے ہیں۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ کائنات میں جہاں کہیں بھی زندگی کا نشان موجود ہے وہاں ''رحمت للعالمین'' موجود ہیں۔ رحمت للعالمین تو حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کا لقب ہے اِس لیے میں نے غالب سے کہا کہ مزید وضاحت کریں۔ مگر اُنھیں تامّل تھا۔ غالب کو ہچکچاتا دیکھ کر حلاّج نے بے خوفی سے کہا: تمھیں جہاں جہاں زندگی سے چھلکتی ہوئی دُنیا دکھائی دے، ایسی دُنیا جس کی خاک سے آرزو اُگتی ہے، تو جان لو کہ اُس کا کُل سرمایہ نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا پھر وہ دُنیا ابھی اُن کی تلاش میں ہے۔

میں نے حلاّج سے کہا: ''مجھے بتائیں، ہم دنیا میں خدا کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں؟''

''پہلے اُس کے نقش کو اپنی روح پر ثبت کر دو،'' حلاج نے جواب دیا: ''پھر اُس کو دنیا پر ثبت کرو۔ پھر تم جدھر نظر اٹھاؤ گے اُسے پاؤ گے۔ تم اُس کے نقش کو دنیا پر عشق سے بھی ثبت کر سکتے ہو اور طاقت سے بھی مگر عشق بہتر ہے کیونکہ خدا کا جلوہ طاقت کی بجائے عشق میں زیادہ واضح ہوتا ہے۔''

پھر میں نے شیطان کے بارے میں پوچھا کہ وہ تو خود کو آدم سے بہتر سمجھتا تھا۔ مگر اب یہ حال ہے کہ ہماری مشت خاک تو آسمانوں کو چھان چکی ہے اور اُس کے پیالے میں نہ شراب بچی ہے نہ تلچھٹ۔ اس کنگال کی وہ آگ کہاں گئی جس پر اسے اتنا گھمنڈ تھا؟ حلاّج نے ابلیس کی اس تحقیر پر مجھے جھڑک دیا اور کہا: ''وہ اہلِ فراق کا سردار ہے''، ''اُسی کی وجہ سے ہم انسان یہ دیکھنے کے قابل ہوئے ہیں کہ تکلیفوں اور مشکلات کے بعد حاصل ہونے والے صلے میں کتنا لطف ہوتا ہے۔ ہم اُس کے اسرار نہیں جانتے کیونکہ وہ عشق اور عبادت میں ہم سے بہت پرانا ہے۔''

مجھے روح پر حکومت کرنے والی اِن ہستیوں کی صحبت میں اس قدر لطف آ رہا تھا کہ میں نے درخواست کی کہ کچھ دیر اور میرے ساتھ رہیں مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ اُنھیں آگے بڑھنا تھا۔ جیسے ہی وہ رخصت ہوئے میں نے اپنی آنکھیں بند کیں تا کہ اِس صحبت کو اپنے دل میں بسا لوں۔

ابلیس

اچانک میں نے دیکھا کہ جہان تاریک ہو گیا۔ ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ اُس اندھیرے میں ایک شعلہ ظاہر ہوا اور اُس میں سے ایک بوڑھا باہر آیا۔ وہ گہری سیاہ قبا میں ملبوس اور دھوئیں کے مرغولے میں ڈھکا ہوا۔ رُومی نے مجھے بتایا کہ یہ ابلیس ہے۔ جو محبوب سے

بچھڑنے کا درد جانتے ہیں، یہ ان کا سردار ہے۔ یہ سراپا تپش ہے اور اس کا پیالہ شراب سے نہیں بلکہ اس کے اپنے ہی خون سے بھرا ہوا ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ ابلیس ایک بزرگ اور سنجیدہ مزاج شخص تھا اور بہت کم بولتا تھا۔ جب وہ نظر اٹھاتا تھا تو جسم میں روح کو دیکھ لیتا تھا۔ وہ رند بھی تھا اور عالم، فلسفی، صوفی اور راہب بھی۔ اس کی فطرت وصال کی لذت سے ناآشنا تھی۔ خدا سے دوری اس کی عبادت تھی اور اُس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر کے اِس عبادت کا حق ادا کیا تھا۔ ذرا اُس کی مشکلات اور اُس کی استقامت پر نظر ڈالو کہ خیر و شر کی جنگ میں یہ شر کے ساتھ ہی سہی مگر آج تک ثابت قدم رہا ہے۔ ہزاروں پیغمبر دیکھ لیے مگر اپنے کفر پر اسی طرح قائم ہے۔

میری روح میرے جسم میں بے چین ہوگئی اور میرے لبوں سے ایک آہِ سرد نکلی۔ اُس نے نیم وا آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور کہا: ''میرے سوا کون اپنے عمل میں پورا اتر سکا؟ میں تو جمعے کی بھی چھٹی نہیں کرتا۔ میرے پاس کوئی فرشتے یا خدمت گار نہیں اور نہ اپنا پیغام پہنچانے کے لیے مجھے انبیا کی ضرورت ہے، اِس کے باوجود میں نے روحوں پر غلبہ پالیا ہے۔ اے بے خبر! میں نے سجدے سے انکار کر کے خیر و شر کے نظام کو قائم کیا ہے۔ میں نے آدم کے درد کو محسوس کیا اور اُس کی خاطر خدا کا قہر برداشت کیا۔ میں نے اپنی برائی کو ظاہر کیا تا کہ تم اپنی قوتِ ارادی کی لذت سے آشنا ہو سکو۔ تم مجھے میری بدنصیبی سے نجات کیوں نہیں دلا دیتے؟ میری شیرینی اور تلخی سے بے نیازی اختیار کرو تا کہ میرا نامۂ اعمال اور زیادہ سیاہ نہ ہو۔ شکاری شکار کے دم سے ہے، اگر شکار ہوشیار ہو تو شکاری کا وجود ہی نہیں رہتا۔''

میں نے اُس سے کہا: ''تم جدائی کے راستے پر کیوں چل رہے ہو؟ بلاشبہ خدا جدائی کو پسند نہیں کرتا۔''

اُس نے کہا: ''جدائی کا درد ہی زندگی کو نظم بخشتا ہے، آہ! فراق کی لذت میں کس قدر سرور ہے۔ میں وصال کی بات نہیں کر سکتا کیونکہ اگر وصل ہوا تو ہم دونوں وہ نہیں رہیں گے جو ہیں!''

میں نے محسوس کیا کہ خدا سے اتصال کی بات کرنے سے اُس کا دل تڑپ اٹھا ہے۔ کچھ دیر وہ اپنے دھوئیں میں لوٹ پوٹ ہوتا رہا اور پھر اُسی میں گم ہو گیا۔ پھر مجھے اُس دھوئیں میں سے ایک فریاد سنائی دی:

''اے خیر و شر کے خدا!

میں انسانوں کے ہاتھوں خراب ہو گیا ہوں۔

یہ کبھی میری نافرمانی نہیں کرتے۔

انھوں نے خود پر سے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں اور اپنے ممکنات کو دریافت نہ کر سکے۔

اے خدا! میں ان فرمانبردار انسانوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

میری گذشتہ عبادتوں کا مجھے صلہ دے اور مجھے ایک طاقت ور دشمن عطا کر،

ایک ایسا دشمن جو صاحبِ نظر ہو۔ اِن مٹی کی گڑیاؤں کو مجھ سے واپس لے لے۔

اس بڑھاپے میں مَیں اِن سے کھیلتا اچھا نہیں لگتا۔

اے خدا! مجھے کسی ایسے شخص تک رسائی دے جو میرا انکار کر سکے اور مجھ پر غالب آ جائے،

جس کی ایک نگاہ مجھ پر کپکپی طاری کر دے۔

اے خدا! میں شکست کی لذت کے لیے تڑپ رہا ہوں۔''

زحل کا تاریک جہنّم

خون کا سمندر

ہم سفر کرتے ہوئے، زحل سیارے پر پہنچے تو رومی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے:

''اے سخت جان مسافر، کیا تم اُس سیارے کو دیکھ رہے ہو جس نے ایک دُم دار ستارے کی دُم چوری کر کے اپنی کمر کے گرد لپیٹ رکھی ہے؟''

رومی نے مجھ سے پوچھا: ''اِس سیّارے کی رفتار اس قدر سست ہے کہ یہ ساکن نظر آتا ہے۔ ہر اچھی چیز یہاں بری ہو جاتی ہے اور روزِ اَلست سے لے کر آج تک اَن گنت فرشتے اِس سیارے پر کوڑے برسا رہے ہیں۔ یہ وہ دنیا ہے جسے آسمانوں نے رد کر دیا ہے اور سورج کی مدھم اور نہ ہونے کے برابر روشنی نے اِس کے دنوں کو تاریک کر دیا ہے۔ یہ اُن روحوں کا ٹھکانا ہے جن کے لیے کوئی روزِ الست نہیں ہے۔ جیسے وہ دو عفریت جنھوں نے اپنے ذاتی عیش و آرام کی خاطر اپنی قوم کی روح کو قتل کر ڈالا۔ میری مراد بنگال کے میر جعفر اور دکن کے میر صادق سے ہے جو انسانیت، مذہب اور اپنے ملک سب کے لیے باعثِ شرم ہیں۔ اُن کی غداری کی وجہ سے ہندوستان فرنگیوں کا غلام بن گیا اور مسلمان جنھوں نے دوسری قوموں کو ظلم سے نجات دلائی تھی، خود ظلم کا شکار ہو گئے۔''

میں نے جو دیکھا وہ بیان سے باہر ہے۔ جب بھی سوچتا ہوں دہشت سے میرے حواس گم ہو جاتے ہیں۔ وہاں خون کا ایک وسیع و عریض سمندر تھا جس کے اندر بھی طوفان اٹھ رہے تھے اور باہر بھی۔ مگر مچھ کے بجائے اُس کی فضا میں پروں والے ایسے سانپ تھے جن کے سر رات کی طرح سیاہ اور بال و پر چاندی جیسے سفید تھے۔ اُس سمندر کی موجیں چیتے کی طرح لپکتی تھیں اور ان کی دہشت سے مگر مچھ بھی ہلاک ہو چکے تھے اور ساحلوں پر مردہ پڑے تھے۔ اُس کے ساحل بھی پرسکون نہیں تھے کیونکہ چٹانیں ہر لحہ ٹوٹ ٹوٹ کر وہاں گر رہی تھیں۔

خون کی موجوں کے درمیان میں نے ایک کشتی دیکھی۔ اُس میں دو آدمی بیٹھے تھے جن کے چہرے پیلے پڑ چکے تھے۔ اُن کے جسم برہنہ اور بال بکھرے ہوئے تھے۔

اچانک آسمان شق ہو گیا اور اُس میں سے ایک خوبصورت دلھن برآمد ہوئی۔ خدا کی عظمت اور نور اُس کی پیشانی سے پھوٹ رہا تھا اور اُس کی آنکھوں میں آسمانوں کا فخر و غرور ہلکورے لے رہا تھا۔ اُس کا لباس گلاب کی پتیوں سے بنا ہوا تھا اور بادلوں سے زیادہ لطیف تھا مگر وہ ایک غلام کی طرح زنجیروں میں بندھی تھی اور دردناک آواز میں مدد کے لیے پکار رہی تھی۔

''یہ ہندوستان کی روح ہے،'' رومی نے مجھ سے کہا: ''اِس کی فریاد سے دل پھٹتا ہے۔''

''ہندوستان کے رہنے والوں کو اب اپنے ملک کی عزت و ناموس کی کوئی پروا نہیں ہے،'' دلھن نے فریاد کی: ''وہ اپنے آپ سے ناآشنا ہیں۔ اُنھوں نے ماضی پر اپنی نظریں جما رکھی ہیں اور بجھے ہوئے شعلے سے شوق کی گرمی حاصل کرنا چاہتے ہیں! میرے ہاتھ پاؤں اِنھی کی وجہ سے زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور فریاد بے اثر ہے۔ وہ اپنی خودی ترک کر چکے ہیں اور پرانی رسوم میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اُن طور طریقوں سے ہشیار رہو جو تمھیں دنیا سے بیگانہ کر دیں۔ خدا ہمیں ظلم کو خاموشی سے برداشت کرنے کی عادت سے بچائے! جبر ظالم کے لیے بھی زہر ہے اور مظلوم کے لیے بھی۔

ہندوستان کی آزادی کی صبح کب طلوع ہوگی؟ جعفر مر گیا مگر اُس کی روح ابھی زندہ ہے!''

اُس ڈولتی ہوئی کشتی میں بیٹھے دو آدمیوں میں سے ایک نے کہنا شروع کیا: ''آہ! زندگی اور موت دونوں نے ہمیں رد کر دیا۔'' وہ فریاد کر رہا تھا: ''مرنے کے بعد ہم شدید اذیت میں مبتلا دوزخ کے دروازوں پر پہنچے مگر اُس نے ہمیں جلانے سے انکار کر دیا۔ 'میں اپنے شعلوں کو ان کافروں سے پاک رکھنا چاہتی ہوں،' اُس نے کہا: 'روح میرے اسرار میں سے ایک ہے۔ دور ہو جاؤ کہ غداروں کی روح موت کی آغوش میں بھی سکون نہیں پا سکتی۔' اے تیز ہوا، اے لہو کے سمندر! اے زمین! اے نیلے آسمان! اے ستارو! اے چاند! اے سورج! اے قلم! اے لوحِ محفوظ! اے کتاب! اے سفید بتو! اے مغرب کے جہاں بانو! کیا کوئی ایسا مالک نہیں ہے جو ایک غدار کو اپنے غلام کے طور پر قبول کر سکے؟''

اچانک ایک ہولناک صدا بلند ہوئی۔ سمندر اور صحرا شق ہو گئے۔ ہر جوڑ ڈھیلا پڑ گیا اور چٹانیں ایک دوسرے پر گرنے لگیں۔ پہاڑ بادلوں کی طرح اڑنے لگے۔ ایسا لگا جیسے صور پھونکے بغیر ہی قیامت آ گئی ہے۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک بھی اپنی اندرونی تپش کی وجہ سے بحرِ خوں میں پناہ ڈھونڈنے لگی، پرزور موجیں کناروں سے بلند ہونے لگیں اور ہر چیز خون کے سمندر میں غرق ہو گئی۔

ستاروں کے کارواں نے یہ سب دیکھا اور لاپروائی سے گزر گیا۔

ستاروں سے آگے

جنّت

میں آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ میں کائنات کے آخری سرے پر پہنچ گیا۔ میں نے ہر جگہ زندگی کو موت پر غالب دیکھا تھا اور وقت کو مختلف پایا تھا۔ ہمارے زمینی وقت کا ایک سال، کہیں ایک مہینے کی طرح گزرتا تھا اور کہیں ایک لحظے کی طرح۔ میں نے دیکھا کہ ہر دنیا میں مختلف قوانینِ فطرت کی حکمرانی تھی۔

کائنات کے آخری سرے پر میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کی آواز میں درد ہی درد تھا۔ اُس کی نظر عقاب سے زیادہ تیز تھی اور اُس کا چہرہ اُس کے سینے میں بھڑکتی آگ سے روشن ہو رہا تھا۔ وہ یہ شعر پڑھ رہا تھا:

نہ جبریلے، نہ فردوسے، نہ حورے، نے خداوندے

کفِ خاکے کہ می سوزد زجانِ آرزومندے!

یعنی نہ جبریل، نہ جنّت، نہ حُور، نہ خدا ہے، بس ایک خاک کی مُٹھی ہے جسے ایک بے چین رُوح جلاتی رہتی ہے!

رومی نے مجھے بتایا کہ یہ جرمن فلسفی نیٹشے ہے جس نے مغربی تہذیب کے رازوں سے پردہ اٹھایا تھا اور اِسے پاگل قرار دیا

گیا۔حلاّج سُولی پر چڑھائے گئے تھےاوراِس جدید مجذوب نے اگرچہ پادریوں سے اپنی جان بچالی مگر طبیبوں نے اِسے سکون آور دوائیں دے دے کر مار ڈالا۔

''اِس کا مقام دونوں جہانوں کے درمیان ہے۔'' رومی نے مجھے بتایا۔

میں آگے بڑھ گیا اور ایک ایسی دنیا میں قدم رکھا جس میں کوئی سمت نہ تھی اور جو خلا سے باہر تھی۔ میں اِسے بیان نہیں کر سکتا۔ جس طرح پنجرے میں قید پرندہ اُڑ نہیں سکتا اُسی طرح اُس دنیا کی حقیقت بھی الفاظ کے احاطے میں نہیں آ سکتی۔ اگر آپ اپنے دل کی دنیا پر غور کریں تو سمجھ سکتے ہیں۔ آپ ایک احساس سے دوسرے احساس کے فاصلے کو نہیں ناپ سکتے نہ ہی اُن کی سمتوں کا تعین کر سکتے ہیں مگر پھر بھی وہ وجود رکھتے ہیں۔ بالکل اِسی طرح یہ دوسری دنیا بھی دائیں اور بائیں یا دن اور رات کے تعین کے بغیر اپنا وجود رکھتی ہے۔ وہاں آپ جس چیز کا تصوّر کریں وہ اُسی لمحے آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ وہاں کلیاں فرشتوں کی سانس سے کِھلتی ہیں۔

''اے گمان کے قیدی!'' رومی مجھ سے مخاطب ہوئے: ''اپنے حواس کی دنیا سے باہر قدم نکالو۔ جو محلّات اور عمارات تم اپنے اردگرد دیکھ رہے ہو، یہ اینٹوں اور سیمنٹ سے نہیں بلکہ اچھے اعمال سے تعمیر ہوئے ہیں۔''

ان عمارتو ں میں

سے ایک غیر معمولی طور پر خوبصورت محل شرف النساء کا ہے، رومی نے مجھے بتایا۔ وہ پنجاب سے تعلق رکھنے والی ایک معزز خاتون تھیں جو قرآن پڑھتے ہوئے تلوار اپنے پاس رکھتی تھیں۔ انھوں نے وصّیت کی تھی کہ جب وہ مر جائیں تو یہ دونوں چیزیں اُن کی قبر پر رکھی جائیں۔

''کلمۂ حق اور اُس کی حفاظت کرنے کی قوت،'' رومی نے مجھ سے کہا: ''یہ خدا کی مہربانیاں ہیں۔'' جب پنجاب مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا تو یہ دونوں چیزیں بھی قبر سے ہٹا دی گئیں۔

اپنی سرزمین کا تذکرہ سن کر مجھے اپنے ساتھی یاد آنے لگے۔ اُسی لمحے میں نے حوضِ کوثر کے کناروں سے ایک آواز سنی۔ کوئی بے حد خوبصورت آواز میں یہ شعر گنگنا رہا تھا:

جمع کردم مشتِ خاشاکے کہ سوزم خویش را
گل گماں دارد کہ بندم آشیاں در گلستاں

مطلب یہ کہ میں نے تو کچھ تنکے خود کو جلانے کے لیے جمع کیے تھے مگر پھول یہ سمجھ بیٹھا کہ میں باغ میں آشیانہ بنانے جا رہا ہوں!

یہ کشمیر کے مشہور شاعر غنی تھے جو سیّد علی ہمدانی کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ سید علی ہمدانی وہ صوفی بزرگ ہیں جنھوں نے صنعت، تہذیبِ دین اور نادر فنون متعارف کروا کر کشمیر کو ایرانِ صغیر بنا دیا تھا۔ رومی کی حوصلہ افزائی پر میں نے اُس صاحبِ نظر درویش سے چند سوال کیے۔ میرا پہلا سوال اچھائی اور برائی سے متعلق تھا۔ ''جب خدا یہ چاہتا ہے کہ ہم برائی سے دُور رہیں تو اُس نے شیطان کو کیوں پیدا کیا؟'' اُنھوں نے جواب دیا: ''شیطان کی دلفریب ترغیبات کو ٹھکرانے سے انسان کی روح مزید طاقت ور ہو جاتی ہے۔''

پھر میں نے اُن سے کشمیر کی تقدیر کے بارے میں دریافت کیا۔ اِس بدنصیب وادی کے لوگ ایک طویل عرصے سے ظلم و جبر کی چکّی میں پِس رہے ہیں اور جب سے انگریزوں نے وادی اور اس کے لوگوں کو ہندو راجا کے ہاتھوں پچھتّر کروڑ روپے کے عوض بیچا ہے (یعنی فی کس دس روپے سے بھی کم) تب سے تو اِن کے دکھوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ میں کشمیر کے لوگوں کی مشکلات کا ذکر کر ہی رہا تھا کہ میں نے ایک دیوانے شخص کو دیکھا جو ایک دردانگیز نغمہ گا رہا تھا۔ یہ کشمیر کا وہی غنی تھا جس کی آواز مَیں نے چند لمحے قبل سنی تھی۔ اب وہ یہ نغمہ گا رہا تھا:

بادِ صبا اگر بہ جنیوا گذر کنی
حرفے ز ما بہ مجلسِ اقوام باز گوے
دہقان و کشت و جوے و خیابان فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند!

یعنی اے بہار کی ہوا اگر جنیوا جانا ہو تو میرا یہ پیغام جمعیتِ اقوام میں لے جانا کہ کسان، کھیت، نہر اور کیاریاں سب بِک گئیں۔ پوری قوم بیچی گئی اور کس قدر معمولی قیمت پر بیچی گئی!

سیّد علی نے میری طرف رُخ کیا اور بولے: ''بیٹا! میں تمھیں ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔ نگاہ رکھنے والا خاک اور روح کے درمیان امتیاز کر سکتا ہے۔ ایسا شخص سچ کی خاطر جان دینے کو تیار رہتا ہے کیونکہ موت اُس کے لیے ایک نئی زندگی کی شروعات کے سوا کچھ نہیں۔''

میں نے اُن سے حکومت کے اَسرار دریافت کیے اور اُنھوں نے مجھے بتایا کہ حکومت صرف طاقت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ غنی نے پھر گفتگو میں حصہ لیا اور یہ نکتہ اٹھایا کہ دونوں نہرو یعنی موتی لال اور اُن کا بیٹا جواہر لال جو ہندوستان کی آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں آخر وہ بھی کشمیر سے

تعلق رکھتے ہیں۔ جو زمین آزادی کے متوالوں کو جنم دے سکتی ہے اُسے زیادہ عرصے زنجیروں میں جکڑا نہیں جا سکتا۔ پھر اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے اشعار میں سے کچھ سناؤں۔ میں نے یہ شعر سنائے:

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد! گفتند کہ برہم زن!
عقل است چراغِ تو؟ در راہگذارے نہِ
عشق است ایاغِ تو با بندۂ محرم زن
لختِ دلِ پُر خونے از دیدہ فرو ریزم
لعلے زبدخشانم بر دارد بخاتم زن!

اُنھوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہماری دنیا پسند آئی تو میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے کہا: اِسے برہم کر دو۔ عقل تمھارا چراغ ہے؟ تو پھر اُسے راستے میں رکھ دو۔ عشق تمھارا پیالہ ہے تو صرف ہمراز کے ساتھ ہی پیو۔ دل جو خوں ہو چکا ہے میں اُس کے ٹکڑے اپنی آنکھوں سے گرا رہا ہوں۔ میرے لعلِ بدخشاں کے یہ ٹکڑے لے لو اور اپنی انگوٹھی میں جڑ لو!

بھرتری ہری، سلاطین اور حوریں

جنّت میں ہمارے اردگرد محلّات اور خیموں میں مقیم نازنینیں جھروکوں میں سے سر نکال کر مجھے دیکھنے لگیں۔ یہ حوریں تھیں اور میرے نغمے نے اِنھیں مسحور کر دیا تھا۔ رومی نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور کہا: ''اے ہندی جادوگر! اپنے ہم وطن شاعر کو بھی دیکھو جسے تمھارے نغمے نے متاثر کیا ہے۔''

میں نے نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ بھرتری ہری، جو چھٹی صدی عیسوی کے عظیم ہندو شاعر تھے، اپنے آسمانی مسکن سے نکل کر میرے سامنے کھڑے تھے۔ رُومی اور میں اُن کی تعظیم میں کھڑے ہو گئے اور میں نے بھرتری

سے گفتگو کی۔ سب سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ شعر میں سوز اور اثر کہاں سے آتا ہے۔ کیا یہ خدا کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے یا خود شاعر میں موجود ہوتا ہے؟

''کوئی نہیں جانتا کہ شاعر کا مقام کہاں ہے،'' بھرتری نے مجھ سے کہا۔ ''وہ اپنے کلام کے اُتار چڑھاؤ میں پوشیدہ رہتا ہے۔''

پھر میں نے اُن سے خدا کی حقیقت دریافت کی کیونکہ اِس وقت اُن کے ہم وطنوں کے لیے اِس نکتے کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ بھرتری نے میرے سوال کے جواب میں اپنے کلام میں سے کچھ اشعار سنائے:

این خدایان تنک مایہ ز سنگ اندوز خشت
برترے ہست کہ دور است زدیر و زکنشت
سجدہ بے ذوقِ عمل خشک و بجاے نرسد
زندگانی ہمہ کردار چہ زیبا و چہ زشت!
ایں جہانے کہ تو بینی اثرِ یزداں نیست
چرخہ ازتست وہم آں رشتہ کہ بردوک تو رشت!
پیشِ آئینِ مکافاتِ عمل سجدہ گذار
زانکہ خیزد زعمل دوزخ واعراف وبہشت!

اینٹ پتھر سے بننے والا بُت خدا نہیں ہوسکتا۔ خدا مندر اور گرجا سے بہت دور ہے۔ عمل کے ذوق کے بغیر عبادت خشک رہتی ہے اور کہیں نہیں پہنچتی۔ زندگی صرف کردار ہے خواہ اچھا ہو یا برا ہو! دنیا جو تمھیں نظر آتی ہے یہ خدا کی تخلیق نہیں ہے۔ چرخا بھی تمھارا ہے اور تکلے پر جو دھاگا کاتا جارہا ہے وہ بھی تمھارا ہے! ہر عمل کا اپنا نتیجہ ہوتا ہے، اِس قانون کے سامنے سر جھکاؤ کہ دوزخ، اعراف اور جنّت سب عمل ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔

میں نے اُن کے کلام کو اپنے دل پر نقش کرلیا اور سنا کہ رومی مجھے آگے بڑھنے کو کہہ رہے تھے۔ ''تم نے درویشوں کی محفل دیکھی،'' وہ کہہ رہے تھے۔ ''اب ذرا سلاطین کی شان وشوکت کا نظارہ بھی دیکھ لو!''

ہم ایک عظیم الشان محل کے دروازے پر پہنچے جس کی خوبصورتی کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اُس کی بلندی ناپی نہیں جاسکتی تھی۔ وہ تمام کا تمام فیروزے کا بنا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے نیلے آسمان اس کی آغوش میں ہیں۔ وہاں کی ہوا میں ایسا جادُو تھا کہ وہ پلک جھپکتے میں سوکھے ہوئے پھول کو بہار کی تصویر بنا سکتی تھی۔

اس محل میں ہم نے ایک عظیم الشان دربار دیکھا جہاں حوریں سنہری کمر بند باندھے صف بستہ کھڑی تین بادشاہوں کی خدمت پر مامور تھیں۔ ان میں ایران کے نادر شاہ تھے جو اپنی سلطنت میں مسلمانوں کے اتحاد کے لیے کوشاں رہے تھے۔ احمد شاہ ابدالی تھے جنھوں نے افغانوں کے لیے قومیت کی بنیاد رکھی تھی۔ اور سلطان ٹیپو تھے جو ایشیا کی آزادی کی خاطر شہید ہوئے تھے۔ جب رومی نے مجھے ایک عظیم شاعر کی حیثیت سے متعارف کروایا تو یہ لوگ اپنے اپنے ممالک کے حالات دریافت کرنے لگے۔

ہم نے ایران، افغانستان اور ہندوستان کے حالات پر گفتگو کی۔ میں نے بڑے دکھ کے ساتھ اُنھیں بتایا کہ ایران کے رہنے والے خود کو ایرانی پہلے اور مسلمان بعد میں سمجھتے ہیں جبکہ افغانستان خانہ جنگی کے ہاتھوں برباد ہورہا ہے۔ وہاں بھائی بھائی سے لڑ رہا ہے۔ ہندوستان البتہ مغربی نو آبادکاروں کے خلاف جدوجہد کررہا ہے۔

''کوئی بھی قوم بہت عرصے تک غیروں کی حکمرانی برداشت نہیں کرسکتی چاہے، وہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں،'' میں نے کہا۔ ہم یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ایران کے عظیم کلاسیکی شاعر ناصر خسرو کی روح ظاہر ہوئی۔ اُس نے ایک نغمہ سنایا اور دوبارہ غائب ہوگئی۔ نغمہ یہ تھا:

دست را چوں مرکبِ تیغ و قلم کردی مدار
ہیچ غم گر مرکب تن لنگ باشد یا عرن
بے ہنر داں نزدِ بے دیں ہم قلم ہم تیغ را
چوں نباشد دیں نباشد کلک و آہن را ثمن

مطلب یہ تھا کہ جب تم نے ہاتھ میں تلوار اور قلم لے لیے ہیں تو پھر کوئی غم نہیں، جسم خواہ اپاہج ہی کیوں نہ ہو۔ بے دین کے ہاتھ یہ چیزیں آجائیں تب بھی اُسے بے ہنر ہی سمجھو کیونکہ دین کے بغیر محض لوہے اور سیاہی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

ابدالی نے یورپی تہذیب پر سیرِ حاصل تبصرہ کیا۔ ''اُن کی قوت راگ رنگ اور بے حیائی سے نہیں ہے۔'' بلکہ اُن کی قوت تو اُن کے علم وحکمت کے سبب سے ہے۔ اے نوجوانِ ایشیا! علم ذہن سے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ مغربی لباس سے۔''

ٹیپو نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ جب وہ جنت میں رسول اللہؐ کے حضور میرے اشعار سنا رہے تھے تو آپؐ نے پوچھا کہ یہ کس کے اشعار ہیں؟ پھر

فرمایا کہ ان میں زندگی کا شعلہ موجود ہے۔ ٹیپو نے مجھ سے کہا کہ میں زندگی کے اِسی شعلے کو استعمال کر کے اُن کا پیغام دریائے کاویری کو پہنچاؤں جو دکن میں اُن کے مزار کے پاس سے گزرتا ہے۔ اُن کا پیغام یہ تھا۔

اے کاویری! ذرا آہستہ چل اور اُس کا پیغام سُن جس کی بلند چوکھٹ کا طواف تیرا معمول تھا۔ میں وہ سلطنت دار ہوں جس کا قول سارے کا سارا عمل تھا۔ شوق سویا ہوا تھا اور میں بیدار تھا۔ زندگی ہر سانس میں برپا ہوتا ہوا انقلاب ہے۔ یہ مسلسل کسی نئی دُنیا کی جستجو میں رہتی ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ زندگی کی روایت، دین اور مشرب کیا ہے؟ شیر کا ایک پل بہتر ہے بھیڑ کے سو سال سے۔

اس شہید سلطان کے الفاظ نے مجھ پر بڑا گہرا اثر کیا مگر رومی نے مجھے آگے بڑھنے کی ہدایت کی: میں بھاری دل کے ساتھ اٹھ کر محل کے دروازوں کی جانب بڑھا اور وہاں حوروں کا ایک ہجوم دیکھا۔ اُنھوں نے مجھے کچھ دیر کے لیے رک جانے کا اشارہ کیا۔

''عشقِ حقیقی خدا تک پہنچ کر ہی قیام کرتا ہے،'' میں نے ان سے کہا: ''عشق کی ابتدا حسنِ مجازی میں گرفتار ہونا ہے مگر اس کی انتہا اس سے بے نیاز ہو جانا ہے۔''

حوروں نے کہا کہ اچھا ایک نغمہ ہی سنا دو، اور میں نے یہ نغمہ سنایا:

با آدمے نرسیدی، خدا چہ می جوئی
زخود گریختہ آشنا چہ می جوئی!

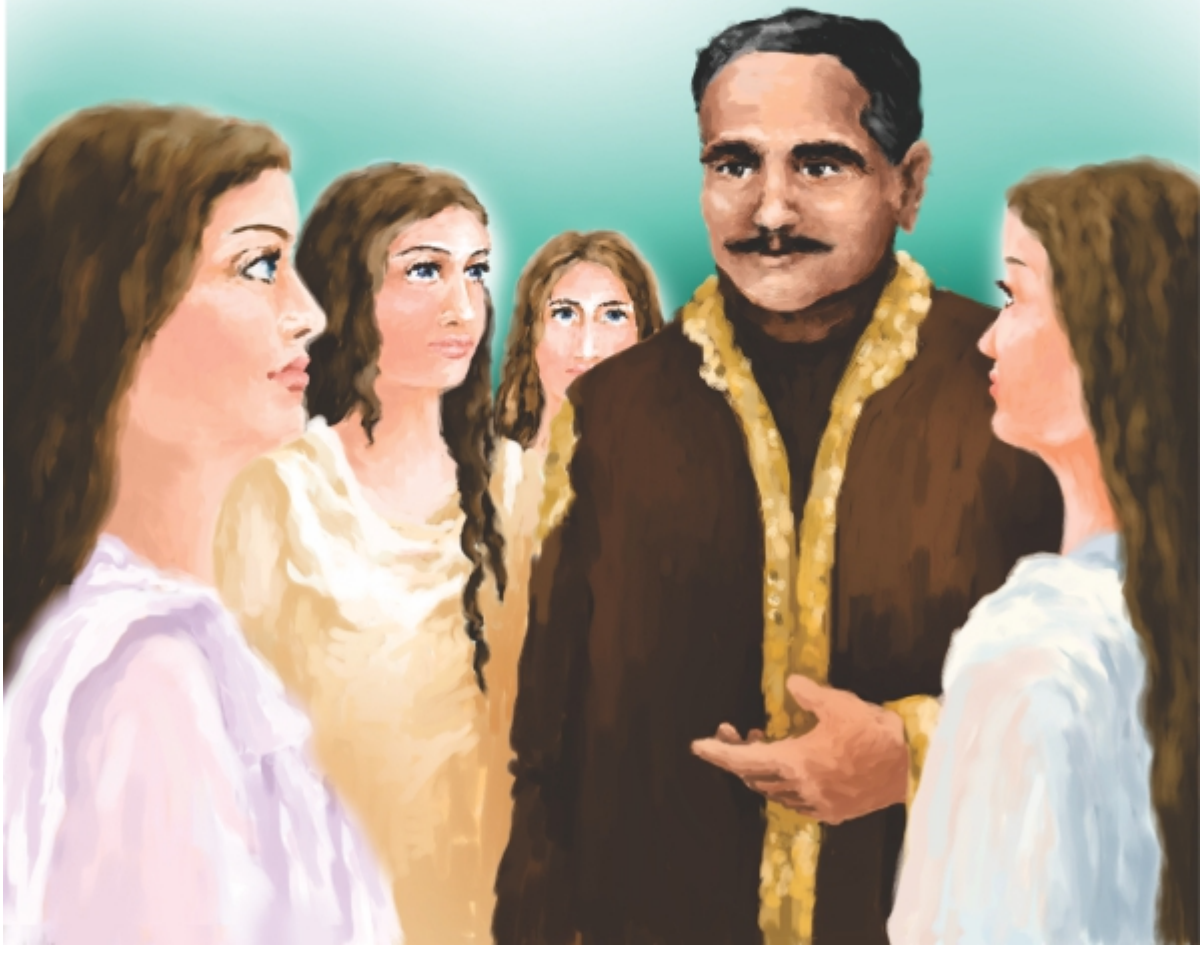

سراغِ او زخیابانِ لالہ می گیرند
نوائے خوں شدۂ ما زما چہ می جوئی؟
قلندریم و کراماتِ ما جہاں بینی است
زما نگاہ طلب کیمیا چہ می جوئی!

جب انسان کے مقام کو نہ پہنچ سکے تو خدا کو کیا تلاش کرتے ہو، اپنے آپ سے دُور پڑے ہو تو پھر دوست کی تلاش کیسی! اُس کا سراغ لالے کی کیاریوں میں تلاش کرو، ہماری خوں ہو جانے والی نوا کے بارے میں ہم سے کیا پوچھ رہے ہو! ہم قلندر ہیں اور ہماری کرامت دُنیا کی حقیقت کا مشاہدہ ہے، ہم سے نگاہ مانگو سونا بنانے والی کیمیا کیا مانگ رہے ہو!

خدا

جنت بھی خدا کے مظاہر میں سے ہے مگر ایک عاشق کو محبوب کے دیدار کے سوا کسی چیز میں تسکین نہیں ملتی۔ چنانچہ میں ان محلّات اور حوروں سے آگے بڑھ گیا۔ اگر علم کج فطرت اور بداصل ہو تو وہ نظر کے سامنے حجاب بن جاتا ہے لیکن اگر علم کا مقصود نظارۂ جمال ہو تو وہ راستہ بھی ہے اور راہبر بھی۔ وہ کائنات کی ایسی تفسیر پیش کرتا ہے جس سے دل و نظر کی پرورش ہوتی ہے اور اس طرح وہ تمھیں خدا کی بارگاہ تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ اس سے آگے البتہ تنہا ہی جانا پڑتا ہے، کسی رفیق کے بغیر کیونکہ عشق کی غیرت اپنے محبوب کی موجودگی میں کسی تیسرے کو برداشت نہیں کر سکتی۔

میں نے اپنی روح کو روشنی کے سمندر میں ڈال دیا اور ذات کے حسن کو دیکھنے میں محو ہو گیا جو ہر لحہ نئے رنگ میں جلوہ گر تھا۔ میں تخلیق کے اسرار میں گم ہوا اور میں نے زندگی کو ایک رُباب کی مانند دیکھا جس کا ہر تار ایک نیا ساز تھا اور اُس کی ہر آواز پہلی سے زیادہ دردانگیز تھی۔ اچھی اور بری تمام مخلوقات ایک ہی قبیلے سے متعلق لگنے لگی تھیں۔ میری روح کے سامنے گویا ایک آئینہ رکھ دیا گیا تھا اور میری حیرت کو یقین کے ساتھ ملا دیا گیا تھا۔

میں نے دیکھا کہ حال کی ایک صبح میں، جس کی روشنی دکھائی دے رہی ہے، ماضی اور مستقبل دونوں موجود ہیں۔ خدا اپنے تمام اَسرار کے ساتھ میرے سامنے تھا اور میری نظر سے اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا!

''اے خالقِ حقیقی!'' میرے عشق نے مجھے حوصلہ دیا اور میں نے خدائے مطلق سے مخاطب ہونے کی جرأت کی: ''کیا ایسی دنیا آپ کے شایانِ شان ہے جہاں انسان سود خوروں، جابر حکمرانوں، مولویوں اور جھوٹے پیروں کا شکار ہے۔ بے شک ایسی دکھ بھری دنیا آپ جیسے خالق کے شایانِ شان نہیں۔ اے خدا! یہ آپ کے نام پر دھبّا ہے!''

''اچھے اور برے میں سے جو ہم نے چاہا، اُسے تقدیر کے قلم نے لکھ دیا،'' خدا نے جواب دیا: ''کیا تم جانتے ہو زندگی کیا ہے؟ زندہ رہنے کا مطلب ہے ہماری قوت میں سے حصہ پانا اور نئی دنیائیں تخلیق کرنا۔ اگر تم زندہ ہو تو اپنی دنیا خود پیدا کرو۔ جس میں تخلیق کی قوت نہیں، وہ ہماری نظر میں کافر ہے۔''

''جو قومیں مر جائیں، وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتیں،'' میں نے کہا۔ ''جس طرح ندی کا پانی جو گزر جائے، تو واپس نہیں آتا۔''

''زندگی کا دارومدار محض طبیعی حیات پر نہیں،'' خدا نے پھر جواب دیا: ''جب میں نے کہا ہے کہ میں تمھاری شہ رگ سے زیادہ قریب ہوں تو

اِس نزدیکی سے تم بھی لافانی ہو سکتے ہو۔قوم حیاتِ جاوداں حاصل کر سکتی ہے اگر فردِ واحد کی طرح ایک ہو جائے۔اے لا اِلہ کہنے والے! کیا تو قوم کا مطلب سمجھتا ہے؟ قوم کا مطلب یہ ہے کہ ہزاروں آنکھیں ایک ہی نگاہ سے دیکھ رہی ہوں۔تم بھی یک نگاہ ہو جاؤ تا کہ تمھیں دُنیا کی فرمانروائی حاصل ہو۔''

''اے خدا! مجھے بتایئے میں کون ہوں اور آپ کی حقیقت کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔''میں آپ سے اِس قدر دُور کیوں ہوں؟ میں تقدیر کا تابع کیوں ہوں؟ میں کیوں مرتا ہوں اور آپ کیسے لافانی ہیں؟''

خدا نے ان تمام سوالوں کا جواب ایک جملے میں دیا:''جو کوئی دنیا میں سماتا ہے وہ وہیں مرتا ہے،'' خدا نے کہا:''اگر ہمیشہ رہنا چاہتے ہو تو اپنی ذات میں ڈوب جاؤ اور دنیا کو بھی اپنے اندر سمیٹ لو۔تب تم یہ جان جاؤ گے کہ تم کون ہو، میں کون ہوں، تم کیسے مرتے اور جیتے ہو!''

''مجھے معاف فرمایئے میرے مالک!'' میں نے تھوڑی اور جرأت دکھائی،''مگر میں التجا کرتا ہوں کہ دنیا کی تقدیر کا راز مجھ پر کھول دیں۔میں نے جرمنی اور روس کے انقلاب دیکھے ہیں اور مسلمانوں کی رُوح میں جو اضطراب ہے، اُسے بھی دیکھا ہے۔میں مشرق و مغرب کی تدابیر سے واقف ہوں، اب مہربانی فرما کر اُن کی تقدیر بھی مجھ پر ظاہر کر دیں!''

اچانک میں نے اپنے سیّارے اور اس کے آسمان کو ایک سرخ روشنی میں نہایا ہوا دیکھا۔اس نظارے نے تمام سچائیوں کو مجھ پر واضح کر دیا اور میں اپنی قوتِ گویائی برقرار نہ رکھ پایا۔موسیٰؑ کی طرح میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔اس عالمِ لامکاں کی گہرائیوں سے ایک دردناک صدا بلند ہوئی:

بگذر از خاور و افسونِ افرنگ مشو
کہ نیرزد بجوے ایں ہمہ دیرینہ و نو
آں نگینے کہ تو با اہرمناں باختۂ
ہم بجبریلِ امینے نتواں کرد گرو!
تو فرو زندہ تر از مہرِ منیر آمدۂ
آنچناں زی کہ بہر ذرّہ رسانی پرتو!
از تنک جامی تو میکدہ رسوا گردید
شیشۂ گیر و حکیمانہ بیاشام و برو!

مشرق سے بھی گزر جاؤ اور مغرب کے جادو میں بھی نہ آؤ کہ یہ نئے اور پرانے جہان ایک جَو کے برابر بھی نہیں۔جس نگینے کو تم شیطانوں کے سامنے ہار بیٹھے، وہ تو ایسا تھا جسے جبریلِ امین کے پاس بھی رہن نہیں رکھا جا سکتا تھا۔تم سورج سے بڑھ کر ہو، اِس طرح جیو کہ ہر ذرّے کو روشن کر دو۔تمھاری کم ظرفی سے مے خانہ بدنام ہو رہا ہے۔صراحی اٹھاؤ، سنبھل کر پیو اور رخصت ہو جاؤ!

جاوید اور نئی نسل سے چند باتیں

یہ کتاب اپنے اختتام کو پہنچی مگر مجھے ابھی کچھ اور کہنا ہے۔ کہنے کی کوشش اُسے اور پیچیدہ بنا دیتی ہے۔ الفاظ و آواز اُسے اور غیر واضح کر دیتے ہیں۔ اُسے میری نگاہوں میں اور میرے جذبے کی تپش سے حاصل کرو۔

یہ کہنے کا مطلب کہ کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے، یہ ہے کہ تم اِس دنیا کے کسی شخص یا کسی شے کے سامنے خود کو ہرگز نہ جھکاؤ۔ جسے خود پر یقین نہ ہو وہ کافر ہے بلکہ خدا پر یقین نہ رکھنے والے سے بھی بدتر ہے۔ اپنے گردوپیش دنیا میں برائی دیکھو تو خود کو اُس سے محفوظ رکھو۔

ہمارے اساتذہ نوجوانوں کو غلط تعلیم دے رہے ہیں۔ وہ اُن کی روح کے فطری نور کو بجھا دیتے ہیں۔ مجھ سے یہ نکتہ سمجھ لو کہ ایسا علم بے کار ہے جو تمھاری زندگی سے متعلق نہ ہو کیونکہ علم کا مقصد اِس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ تمھاری اپنی ذات کے مقامات اور شان کو تم پر ظاہر کر دے!

دین کی ابتدا ادب ہے اور انتہا عشق۔ کسی کو برا نہ کہو کہ مومن اور کافر سب اُسی خدائے واحد کی مخلوق ہیں۔ انسان کا مقام ہمیشہ یاد رکھو، آدمیت کا مطلب بنی نوعِ آدم کا احترام کرنا ہے۔ جو خدا سے عشق کرتا ہے اُسے ہر ایک سے نرمی سے پیش آنا چاہیے جیسے خدا کافر و مومن سب پر شفقت فرماتا ہے۔

اپنی رُوح کے بدلے اپنے جسم کی غلامی مت کرو اور اگر دولت مند بھی ہو جاؤ تو اپنا فقر ہاتھ سے نہ جانے دو۔ کسی سچے راہبر کی تلاش کرو اور اگر ایسا راہبر نہ ملے تو رومی کی پیروی کرو جس طرح میں نے اُسے اپنا راہبر بنایا تھا۔ لوگوں نے رقصِ درویش تو سیکھ لیا ہے مگر روح کا رقص نہیں سیکھا جو کائنات کی گردش بدل دیتا ہے۔ اور رُوح تبھی رقص کرتی ہے جب تم خدا کے سوا ہر کسی کا خوف دل سے نکال دو اور اُس کے سوا کسی سے امید نہ لگاؤ۔ غم سے دور رہو کیونکہ غم ایمان کی کمزوری کی علامت ہے اور جوانوں کو بوڑھا بنا دیتا ہے۔

اے میرے بیٹے! اگر تمھاری روح رقص کر سکے تو یہی محمد مصطفیٰؐ کے دین کا راز ہے جو میں تمھیں بتا رہا ہوں اور میں اپنی قبر میں بھی تمھارے لیے دُعا گو ہوں۔